شرح

اسماء حسنیٰ

کتاب وسنت کی روشنی میں

تالیف

ڈاکٹر سعید بن علی بن وہف القحطانی حفظہ اللہ

اردو ترجمہ

عنایت اللہ بن حفیظ اللہ مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

شرح

اسماء حسنیٰ

کتاب وسنت کی روشنی میں

تالیف

ڈاکٹر سعید بن علی بن وہف القحطانی حفظہ اللہ

نظر ثانی

فضیلۃ الشیخ علامہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الجبرین رحمہ اللہ

ترجمہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

نام کتاب	:	شرح اسماء حسنیٰ - کتاب وسنت کی روشنی میں
تالیف	:	ڈاکٹر سعید بن علی بن وہف القحطانی حفظہ اللہ
نظر ثانی	:	فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین رحمہ اللہ
ترجمہ	:	ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
سنہ اشاعت	:	رمضان ۱۴۳۷ھ بمطابق ۲۰۱۶ء
تعداد	:	دو ہزار
اشاعت	:	اول
صفحات	:	304
ناشر	:	شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی: ۱۴-۱۵، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-۷۰ ٹیلیفون: 022-26520077
- مسجد ومدرسہ دارالتوحید: چودھری کمپاؤنڈ، واونجہ پالا روڈ، واونجہ، تعلقہ پنویل، ضلع رائےگڈھ-۴۱۰۲۰۸ فون: 9773026335
- مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینہ اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع رتناگری-415709، فون نمبر: 02356-264455
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: فون: 226526 / 225071

فہرست مضامین

تقدیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله النبي الكريم، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔ أما بعد!

اللہ کے بندے جس قدر اپنے رب کی معرفت، اس کی عظمتوں اور صفات عالیہ سے آگاہ ہوں گے اسی کے بقدر انھیں اللہ تعالیٰ کا حقیقی خوف، رجاء، محبت اور ایمان ویقین میں پختگی حاصل ہوگی۔ اس کا ایک بڑا عظیم وسیلہ یہ ہے کہ اس کے جو اچھے اچھے نام ہیں ان کی معلومات اور فہم ہو، ان کا خوب ورد ووظیفہ ہو، جو نام سے معنیٰ ثابت ہو اس کو تسلیم کیا جائے اور ان پر ایمان رکھا جائے۔ حقیقت میں یہی اسماء وصفات اور افعال توحید باری تعالیٰ کا مرجع واساس ہیں؛ ان میں ہر طرح کی تاویل، تعطیل، تحریف اور تمثیل سے احتراز ضروری ہے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات اور افعال سے پہچان لے گا تو اس کے اثرات اس کے دل ودماغ پر مرتب ہوں گے۔ اس سے بالآخر اللہ سے دلی تعلق پیدا ہوگا پھر اس سے بے پناہ محبت کرنے لگے گا۔ اسی مقصد کو پانے کے لئے ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتایا ہے:

''إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الجَنَّةَ''(بخاری)۔

اللہ کے ننیانوے ناموں کے حفظ ووظیفہ سے اس کے کمال حکمت وقدرت کا عرفان بڑھے گا، بندے کو اللہ کی توحید میں کمال حاصل ہوگا، پھر یہی علم ومعرفت اور یقین دخول جنت کا ذریعہ بن جائیں گے۔

البتہ یاد رہے کہ اس سے صرف اللہ کے مقدس، اچھے اور پیارے ناموں کا تلفظ مطلوب نہیں ہے بلکہ ان اسماء وصفات عظیمہ کو ان کے اصل معانی کی روشنی میں سمجھنا مطلوب ہے جو قلب ونظر میں گہرائی پیدا کریں۔ کیونکہ اللہ کے صفات کا علم ہی کائنات میں اللہ کی حکمت وقدرت اور حیران کر دینے والی نشانیوں سے بصیرت اور عبرت ونصیحت کا ذریعہ ہے۔

جس طرح نصوص شرعیہ اوراوراد و وظائف کے معانی ومراد سمجھنے کے لئے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی جاتی ہیں، ضروری ہے کہ اللہ کے اسماء وصفات اور اس کے ناموں کے حقیقی معنی ومراد سے بخوبی آگاہی حاصل ہو، تاکہ ان کے بھرپور اثرات حاصل ہوسکیں۔ جس طرح آیات ونصوص کی محض قرأت وتلاوت؛ جو سمجھ سے خالی ہو، حقیقی اثر پیدا نہیں کرسکتے، انہیں سمجھنا اور ان میں تدبر ضروری ہے، ایسے ہی اسماءِ حسنیٰ میں ایک ایک مقدس نام کا صحیح معنی ومدلول سمجھنا بھی بہت اہم ہے۔

ہم اللہ کے بندے اپنے اللہ کے پیارے مقدس ناموں کے معنی ومراد کو سمجھیں اور ان کا خوب خوب وظیفہ کریں، توحید میں نکھار آئے، ایقان واذعان اور طمانیت بڑھ جائے، اسی مقصد بالا کو پانے کے لئے عالم اسلام کی عظیم علمی تحقیقی اور مربی شخصیت ڈاکٹر سعید بن علی القحطانی حفظہ اللہ (صاحب حصن المسلم) کی عظیم تحریر ''شرح اسماء اللہ الحسنیٰ'' کا ترجمہ اردو داں طبقہ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، جسے مؤلف محترم کے شاگرد اور جماعت کے فاضل قلمکار وخطیب شیخ عنایت اللہ مدنی نے خصوصی طلب پر صوبائی جمعیت کے شعبۂ نشر واشاعت کے لئے تیار کر کے دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً و بارک فیہ۔

آپ نے کئی اہم کتابیں جماعت اور ملت کے علمی وتربیتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر تیار کی ہیں، جسے شعبہ نشر واشاعت کی طرف سے شائع کیا گیا ہے، اور اہل علم نے انہیں قابل قبول وقدر کا درجہ دیا ہے۔ یاد رہے کہ عقیدہ ومنہج کے تحفظ اور علم وعمل کی اصلاح اور تربیتی تحریریں تیار کر کے مسلمانوں کی بھلائی اور انسانیت کی خدمت جمعیت کا خصوصی مشن ہے، اللہ تعالیٰ مؤلف، مترجم اور جمعیت وجماعت کے عام ذمہ داران ومعاونین کی کوششیں قبول فرمائے، آمین۔

اور اس کتاب کی سعادت وبرکات اور اسماء حسنیٰ کے وظیفہ سے رطب اللسان رہنے کی توفیق دے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم۔

۸/ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ

۱۴/ جون ۲۰۱۶ء

خادم جماعت وجمعیت

عبدالسلام سلفی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

پیش لفظ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کی معرفت ایمان وعمل کی اصلاح وسدھار کی اساس اور بنیاد ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے بندہ کے رشتۂ بندگی کے قوت وضعف اور تقویٰ وخشیت اور محبت الٰہی کا دارومدار اللہ کی بابت علم ومعرفت پر ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُا۟ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾﴾ [فاطر:۲۸]۔

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

اور عملی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”وَاللهِ إِنِّي لَأَعْلَمُكُمْ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَخْشَاكُمْ لَهُ“(مسند احمد:24912)۔

اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔

چنانچہ جس بندہ کو اپنے رب کا جس قدر علم ہوگا اُسی قدر وہ اس کی جناب میں مخلص ہوگا، اُس سے حقیقی انسیت ومحبت اور حسن ظن رکھے گا، اُس سے ڈرے گا، حیاوشرم کرے گا، اس کی مرضیات کو اپنی محبوبات ومرضیات پر مقدم رکھے گا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اس کی زندگی نہایت شفاف اور پاکیزہ ہوگی، اور وہ اللہ تعالی سے ملاقات کا مشتاق ہوگا، دنیا کی اسے کوئی چاہت باقی نہ رہے گی، اس کے برخلاف جو اللہ کو نہیں جانے گا' دنیا کے پیچھے حسرت کے مارے اس کا دل کٹ کٹ کر چھلنی ہو جائے گا۔

امام ابن القیم اللہ تعالیٰ سے محبت کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الْخَامِسُ: مُطَالَعَةُ الْقَلْبِ لِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ، وَمُشَاهَدَتُهَا وَمَعْرِفَتُهَا، وَتَقَلُّبُهُ فِي رِيَاضِ هَذِهِ الْمَعْرِفَةِ وَمَبَادِيهَا، فَمَنْ عَرَفَ اللَّهَ بِأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ: أَحَبَّهُ لَا مَحَالَةَ“(مدارج السالکین،3/18)۔

پانچواں سبب: دل کا اللہ کے اسماء وصفات سے آگاہ ہونا، اس کا مشاہدہ کرنا اور اس کی معرفت حاصل کرنا، نیز اس معرفت اور اس کے مبادی کے جنت زاروں کی سیر کرنا، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ پہچانے گا' اُس سے لامحالہ محبت کرے گا۔

لیکن افسوس کہ دنیا والوں کی اکثریت محض مال وزر، مناصب اور دنیوی ترقیات کے حصول کے لئے دنیا کے بے شمار علوم کے حصول کے لئے کوشاں وسرگرداں ہے، اور اس کے پیچھے مال، وقت، جد وجہد اور تمام تر مادی ومعنوی اسباب ووسائل کو بے دریغ قربان کردینے کے آمادہ ہے، اور اپنے خالق ومالک اور معبود حقیقی کے اسماء وصفات کے ذریعہ اُس کی معرفت سے پوری طرح غفلت وبے حسی کا شکار ہے۔

دوسری طرف ماضی اور حال میں ایک طبقہ اور رہا ہے جس میں علم سے نسبت رکھنے والوں کی بھی کچھ کمی نہیں، جس نے اللہ کے اسماء وصفات کی معرفت اور اس میں غور وتدبر کے ذریعہ اپنے ایمان ویقین کو مجلّیٰ کرنے کے بجائے، اپنی عقل وخرد، دانائی، لاجک، دانشوری اور روشن خیالی کی بنیادوں پران میں تحریف، تکییف اور بے جا تاویلات کے ذریعہ ان کے مقصود ومعانی کو ہی مسخ اور مجروح کرتا رہا ہے! اور اللہ کی ذات بابرکات کو محض ایک صنم یا پھر عدم بنا کر چھوڑ دیا ہے، فاللہ المستعان۔

جبکہ سلف امت صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے منہج کے حاملین تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ کا اللہ کے اسماء وصفات کی بابت نہایت شفاف اصول یہ تھا:

"أَمِرُّوهَا كَمَا جَاءَتْ بِلَا كَيْفِيَّةٍ" (یعنی کیفیت کے بغیر انہیں ایسے ہی گزار دو جیسے وہ آئے ہیں)۔[دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، ومختصر العلو للعلی العظیم للذہبی وغیرہ]۔

چنانچہ اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک تاریخی شہادت ملاحظہ فرمائیں:

"أَنَّ جَمِيعَ مَا فِي الْقُرْآنِ مِنْ ايَاتِ الصِّفَاتِ فَلَيْسَ عَنْ الصَّحَابَةِ اخْتِلَافٌ فِي تَأْوِيلِهَا، وَقَدْ طَالَعْت التَّفَاسِيرَ الْمَنْقُولَةَ عَنْ الصَّحَابَةِ وَمَا رَوَوْهُ مِنْ الْحَدِيثِ وَوَقَفْت مِنْ ذَلِكَ عَلَى مَا شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ الْكُتُبِ الْكِبَارِ وَالصِّغَارِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ تَفْسِيرٍ

فَلَمْ أَجِدْ - إِلَى سَاعَتِي هَذِهِ - عَنْ أَحَدٍ مِنْ الصَّحَابَةِ أَنَّهُ تَأَوَّلَ شَيْئًا مِنْ ايَاتِ الصِّفَاتِ أَوْ أَحَادِيثِ الصِّفَاتِ بِخِلَافِ مُقْتَضَاهَا الْمَفْهُومِ الْمَعْرُوفِ...'' [مجموع فتاوی ابن تیمیہ (6/394) و دقائق التفسیر (2/481)]۔

قرآن کریم میں وارد تمام آیات صفات کی تفسیر میں صحابہ کا کوئی اختلاف نہیں رہا، میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول تفاسیر اور ان سے مروی احادیث کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور اللہ کی توفیق سے اس سلسلہ میں تفسیر کی سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابوں سے واقف ہوں، لیکن تادم تحریر کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی نہیں پایا، کہ اُس نے آیات صفات یا احادیث صفات میں کسی بات کی اُس کے معروف اور مفہوم تقاضہ کے خلاف تاویل سے کام لیا ہو! اللھم فاجعلنا منھم ۔

بہر کیف زیر نظر کتاب اسماء وصفات کے باب میں ایک مختصر جامع اور مدلل کتاب ہے، جس میں اسماء حسنیٰ کے معانی کی وضاحت کی گئی ہے، مولف کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، اصل کتاب پر عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین رحمہ اللہ نے نظر ثانی فرمائی ہے، اور اللہ کے اسماء حسنیٰ کا انتقاء سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

میں اللہ ذوالکرم سے پر امید ہوں کہ ان شاء اللہ کتاب اردو داں طبقہ کے حق میں مفید ثابت ہوگی، کیونکہ میرے علم کے مطابق اس موضوع پر اردو زبان میں کتابیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر اللہ عزوجل کے حمد وشکر کے بعد اپنے والدین بزرگوار کا شکر گزار ہوں بعدہ مسلک کتاب وسنت کی منادصوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی بالخصوص اس کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ کا تہ دل سے ممنون ہوں، جن کی منہجی غیرت، دعوتی فکرمندی، جماعتی لگن، انتھک جدو جہد اور حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں اس کتاب کی اشاعت عمل میں آئی، فجزاہ اللہ خیراً۔ نیز دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اراکین جمعیت اور دیگر محسنین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

ابو عبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ مدنی

(inayatullahmadani@yahoo.com)

۸/ رمضان ۱۴۳۷ھ

ممبئی

أسماء الله الحسنى

الله	الاول	الاخر	الظاهر	الباطن
اللہ	پہلا	آخری	ظاہر وغالب	پوشیدہ
العلي	الاعلى	المتعال	العظيم	المجيد
بلند	بالا	برتر	عظمت والا، بڑا	بڑائی وکشادگی والا
الكبير	السميع	البصير	العليم	الخبير
بڑائی والا	سننے والا	دیکھنے والا	جاننے والا	خبر رکھنے والا
الحميد	العزيز	القدير	القادر	المقتدر
لائق تعریف، خوبیوں والا	غالب	طاقتور	طاقتور	قدرت والا
القوي	المتين	الغني	الحكيم	الحليم
قوت والا	ٹھوس، زورآور	بے نیاز، مالدار	حکمت والا، دانا	بردبار
العفو	الغفور	الغفار	التواب	الرقيب
معاف کرنے والا	بڑا بخشنے والا	بہت بڑا بخشنے والا	توبہ قبول کرنے والا	نگراں، باخبر
الشهيد	الحفيظ	اللطيف	القريب	المجيب
آگاہ، واقف کار	محافظ، نگہبان	باریک بین، نرمی والا	قریب	قبول کرنے والا
الودود	الشاكر	الشكور	السيد	الصمد
خالص محب محبوب	قدر کرنے سراہنے والا	قدرداں	سردار، آقا	بے نیاز، مرجع خلائق
القاهر	القهار	الجبار	الحسيب	الهادي
غالب، بلند	نہایت غالب، بلند	زورآور، تلافی کرنے والا	حساب لینے والا، کافی	رہنمائی کرنے والا
الحكم	القدوس	السلام	البر	الوهاب
فیصلہ کرنے والا	نہایت پاک	عیوب سے سلامت	احسان کرنے والا	عطا کرنے والا
الرحمن	الرحيم	الكريم	الاكرم	الرءوف
مہربان	بڑا رحم کرنے والا	بڑے کرم والا	سب سے بڑا اکرم والا	نہایت شفیق ونرمی والا

الفتاح	الرازق	الرزاق	الحي	القيوم
فیصلہ کرنے والا	روزی دینے والا	بہت بڑا روزی رساں	زندہ	سنبھالنے والا
نور السماوات والارض	الرب	الملك	المليك	مالك الملك
آسمان وزمین کا نور	پروردگار	بادشاہ	مالک، بادشاہ	بادشاہت کا مالک
الواحد	الاحد	المتكبر	الخالق	الخلاق
ایک	اکیلا، یکتا	بڑائی والا، بلند وبرتر	پیدا کرنے والا	بہت بڑا پیدا کرنے والا
البارئ	المصور	المومن	المهيمن	المحيط
وجود بخشنے والا	صورت بنانے والا	امن دینے والا	غالب، نگہبان	احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا
المقيت	الوكيل	ذوالجلال والإكرام	جامع الناس ليوم لاريب فيه	بديع السماوات والارض
خوراک رساں، گواہ	کارساز، نگہبان	عظمت وعزت والا	لوگوں کو اس دن جمع کرنے والا جس میں شک نہیں	آسمان وزمین کا انوکھا (بلا سابق مثال پیدا کرنے والا)
الكافي	الواسع	الحق	الجميل	الرفيق
کفایت کرنے والا	کشادگی والا	حق، سچ	جمال والا، حسین، خوبرو	نرمی والا
الحيي	الستير	الإله	القابض	الباسط
حیا کرنے والا	پردہ پوشی کرنے والا	معبود حقیقی	تنگ کرنے والا	کشادہ کرنے والا
المعطي	المقدم	الموخر	المبين	المنان
عطا کرنے والا، داتا	آگے کرنے والا	پیچھے کرنے والا	واضح، روشن، عیاں	خوب عطا کرنے والا
الولي	المولى	النصير	الشافي	(۱)
ذمہ دار، مددگار، دوست	مالک، مددگار، کارساز	مددگار، قابل اعتماد	شفا دینے والا	

(۱) میں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے جن ناموں کی شرح کی ہے، انہیں یہاں یکجا کر دیا ہے، تاکہ شوق رکھنے والوں کے لئے انہیں یاد کرنے میں آسانی ہو، جبکہ کچھ اور نام بھی ثابت ہیں جنہیں میں نے اس شرح میں شامل نہیں کیا ہے، جیسے: المستعان (مدد مانگا جانے والا)، المسعر (چیزوں کو سستا مہنگا کرنے والا)، الوتر (طاق، اکیلا)۔

مقدمہ

إن الحمد للّٰه، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يُضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله، صلى اللّٰه عليه وعلى اله وأصحابه ،ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وسلم تسليماً كثيراً، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے ہر مطلوب تک رسائی کے لئے کوئی نہ کوئی سبب اور ذریعہ بنایا ہے، اور ایمان سب سے اہم اور عظیم ترین مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے بھی کچھ اسباب بنائے ہیں جو اسے فراہم کرتے ،قوت پہنچاتے اور مضبوط کرتے ہیں، جس طرح بعض اسباب ایمان کو کمزور اور بے وزن کرتے ہیں۔

※ اور ایمان کو مضبوط کرنے والی سب سے عظیم چیز کتاب وسنت میں وارد اللہ کے اسماء حسنیٰ کی معرفت ،ان کے معانی کی فہم اور ان کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی تڑپ اور جستجو ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ ﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

اور اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور

ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

اور صحیح بخاری ومسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ثابت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الجَنَّةَ''(۱)۔

اللہ تعالیٰ کے سو میں ایک کم ننیانوے نام ہیں، جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یعنی جس نے انہیں یاد کیا، ان کے معنیٰ ومفہوم کو سمجھا، ان کے ذریعہ اللہ کی حمد وثنا کی، ان کے وسیلہ سے اللہ سے سوال کیا اور ان کا عقیدہ رکھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور جنت میں چونکہ صرف مومنین ہی داخل ہوں گے، اس لئے معلوم ہوا کہ یہ (اسماء حسنیٰ کا شمار) ایمان کے حصول اور اس کی قوت ومضبوطی کا سب سے عظیم سرچشمہ اور سبب ہے۔

اور اسماء حسنیٰ کی معرفت - اپنے تینوں مراتب سمیت: یعنی الفاظ وتعداد کا شمار، معنیٰ ومفہوم کی سمجھ اور ان کے ذریعہ اللہ سے دعاء ثناء وعبادت اور دعا سوال - ایمان کی بنیاد اور اس کا مرجع ہے؛ کیونکہ اسماء حسنیٰ کی معرفت توحید باری تعالیٰ کی تینوں قسموں: توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات کو شامل ہے، اور یہ تینوں قسمیں ایمان کی روح، اساس وبنیاد اور اصل مقصود ہیں، چنانچہ بندہ کو اللہ کے اسماء وصفات کی معرفت جتنی ہی زیادہ ہوگی اس کا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز من الاشتراط والثنیا فی الاقرار، حدیث (۲۷۳۶)، ومسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فی أسماء اللہ تعالیٰ وفضل من أحصاھا، حدیث (۲۶۷۷)۔

ایمان اتنا ہی بڑھے گا اور اس کے یقین میں اتنی ہی پختگی آئے گی۔ اس لئے مومن کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات اور افعال کے ذریعہ پہچاننے میں اپنی تمام تر طاقت وکوشش صرف کردے، بایں طور کہ نہ ان کا انکار ہو، نہ ان کی مثال بیان کی جائے، نہ ان کی تحریف وتاویل کی جائے اور نہ ہی ان کی کیفیت بیان کی جائے، بلکہ یہ پہچان ومعرفت محض کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی مرویات سے حاصل کی گئی ہو۔ کیونکہ یہی وہ نفع بخش معرفت ہے جس کے ذریعہ بندہ کے ایمان، یقین کی قوت، حالات میں اطمینان اور رب سبحانہ وتعالیٰ سے اس کی محبت میں اضافہ ہوتا رہے گا، اس لئے کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کے اسماء، صفات اور افعال کے ذریعہ پہچانے گا اُس سے لامحالہ محبت کرے گا؛ اور اسی لئے معطلہ، فرعونیہ [1] اور جہمیہ فرقے دلوں کے اللہ تعالیٰ کی محبت تک

---

(۱) علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں جن کا کہنا ہے کہ آسمانوں کے اوپر نہ کوئی رب ہے جس کی عبادت کی جائے، نہ عرش پر کوئی معبود ہے جس کے لئے نماز پڑھی جائے اور سجدہ کیا جائے۔ دیکھئے: (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین (۳/ ۴۱۴)۔

نیز معطلہ فرعونیہ کے سرغنہ جعد بن درہم کے بارے میں فرماتے ہیں: اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے نہ کلام کیا ہے نہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جگری دوست بنایا ہے۔ (طریق الہجرتین وباب السعادتین ص: ۱۴۰)۔

خلاصہ یہ کہ یہ اسی عقیدہ کے حاملین ہیں جو فرعون کا تھا یعنی انکار الٰہ، انکار رب، اور بالجملہ انکار صفات وغیرہ، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝٢٣﴾ [الشعراء: ۲۳] (فرعون نے کہا رب العالمین کیا (چیز) ہے؟)۔

نیز ارشاد فرمایا: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝٣٦ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾ [غافر: ۳۶-۳۷] (فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بالاخانہ بنا شاید کہ میں آسمان کے جو دروازے ہیں، ان دروازوں تک پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے معبود کو جھانک لوں اور بیشک میں سمجھتا ہوں وہ جھوٹا ہے)۔

نیز فرمایا: ﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝٢٤﴾ [النازعات: ۲۴] (تم سب کا رب میں ہی ہوں)۔ ==

پہنچنے کی راہ کے رہزن اور ڈاکو قرار پائے[1]۔

* اسی طرح ایمان کو قوت و مضبوطی پہنچانے والے امور میں سے قرآن کریم میں غور و تدبر بھی ہے، کیونکہ قرآن کریم میں تدبر کرنے والا ہمیشہ اس کے علوم و معارف سے مستفید ہوتا رہتا ہے جس سے اس کا ایمان بڑھتا ہے، اسی طرح جب وہ قرآن کریم کے نظم وضبط اور استحکام و پختگی کو دیکھتا ہے، نیز یہ کہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق و موافقت کرتا ہے اس میں کہیں کوئی اختلاف یا ٹکراؤ نہیں ہے (تو اس سے ایمان مزید بڑھتا ہے)، چنانچہ اگر بندہ اللہ کی کتاب کو غور و تدبر اور اس کے معانی و مراد کی فہم کے ساتھ پڑھے جیسے کسی کتاب کے مولف کے مقصود کو سمجھنے کے لئے اس میں تدبر کرتا ہے جسے وہ حفظ کرتا اور اس کی شرح کرتا ہے، تو یہ ایمان کو تقویت پہنچانے کے عظیم ترین اسباب میں سے ہوگا۔ اور دکھائی دینے والی آفاقی نشانیوں اور تلاوت کی جانے والی شرعی آیتوں میں بندہ کا بخوبی غور و فکر کرنا اُسے صحیح بصیرت عطا کرتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کا حاصل یہ ہے کہ بندہ پہلے اپنے دل کو دنیا کے وطن سے ہٹا کر آخرت کے وطن میں آباد کر دے، پھر اُسے پورے طور پر قرآن کریم پر آمادہ کرے، اور اس کے معانی میں غور و تدبر کرے، اُس کے مراد اور مقصد انزال کو سمجھے، اور اس کی آیتوں میں ہر ہر آیت سے اپنا حصہ و نصیبہ لے کر اُسے اپنے دل کی بیماری پر ڈال دے۔ یہ رفیق اعلیٰ سبحانہ و تعالیٰ تک پہنچانے کا مختصر، قریب اور آسان راستہ ہے، اور یہ

== ساتھ ہی یہ لوگ اللہ کی ذات اور اُس کے شایان شان صفات کمال ثابت کرنے والوں کو مجسمہ اور مشبہہ کہتے ہیں۔ (دیکھئے: مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة ص ۱۳۹)۔

نیز دیکھئے: توضیح الکافیۃ الشافیۃ ص: ۱۱۸، تحقیق: أشرف عبد المقصود۔ (مترجم)

(۱) دیکھئے: مدارج السالکین، از ابن القیم، ۳/ ۱۷، والتوضیح والبیان لشجرۃ الایمان، از عبد الرحمن السعدی، ص ۳۹، و بدائع الفوائد، از ابن القیم، ۱/ ۱۶۴۔

قرآن کریم میں غور وتدبر کے قریب ترین طریقوں میں سے ہے[1]۔

٭ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی احادیث اور ایمان کے جن علوم و اعمال کی طرف وہ حدیثیں بلاتی ہیں، اُن کی معرفت بھی ایمان کی تقویت کے اسباب میں سے ہے۔ یہ تمام چیزیں ایمان کے حصول اور اس کی تقویت کے اسباب میں سے ہیں۔

چنانچہ بندہ کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی معرفت جتنی زیادہ ہوگی اس کا ایمان ویقین بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا، وہ اپنے علم وایمان میں درجۂ یقین تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

٭ اسی طرح ایمان کے اسباب ومحرکات کا ایک ذریعہ نبی کریم ﷺ، آپ کے بلند اخلاق اور اوصاف کریمانہ کی معرفت بھی ہے؛ کیونکہ جو بھی آپ ﷺ کو کما حقہ پہچان لے گا اُسے آپ کی صداقت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب وسنت اور دین حق کی صداقت میں ادنیٰ شک وشبہہ نہ رہے گا۔

٭ اسی طرح ایمان کے اسباب ومحرکات میں سے: کائنات یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان میں موجود طرح طرح کی مخلوقات اور اسی طرح نفس انسانی اور اس کی متعدد صفات، خوبیوں اور صلاحیتوں میں غور وفکر کرنا بھی ہے؛ کیونکہ یہ چیز ایمان کا بڑا ٹھوس سبب ہے، اس لئے کہ ان موجودات میں بڑی عظیم تخلیق اور کاریگری پنہاں ہے جو اُن کے خالق کی قدرت وعظمت پر دلالت کرتی ہے، نیز ان میں ایسا محیر العقول حسن وجمال، نظم وضبط اور ٹھوس پن ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور حکمت کی شمولیت پر شاہد عدل ہے۔

اسی طرح تمام مخلوقات کی ہر حیثیت سے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف محتاجگی اور مجبوری، اور یہ کہ وہ پلک جھپکنے کے بقدر بھی اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔۔۔

(۱) دیکھئے: مدارج السالکین، از امام ابن القیم، ۲/ ۲۸۔

اور یہ چیز بندہ کے لئے کمال خضوع ،کثرت دعاء، اور اپنے دینی و دنیوی منافع کے حصول اور دینی و دنیوی نقصانات کے ازالہ کے لئے اللہ کی طرف اظہار محتاجگی کی موجب ہے، نیز اللہ تعالیٰ پر پختہ توکل ،اس کے احسان و کرم کی چاہت و جستجو اور اللہ کے وعدے پر کامل یقین و اعتماد کا باعث ہے، اور اس کے ذریعہ ایمان کا تحقق ہوتا ہے اور اس میں قوت و مضبوطی آتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں میں غور وفکر جن سے کوئی مخلوق چشم زدن کے لئے بھی خالی نہیں رہ سکتی۔

* اسی طرح ایمان کی تقویت کے اسباب میں سے اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر اور بکثرت دعاء عبادت بھی ہے، اور یہ ذکر زبان، دل، عمل اور حالت ہر طرح سے ہونا چاہئے۔کیونکہ بندہ جتنا ہی یہ ذکر کرے گا اتنا ہی اسے ایمان حاصل ہوگا۔

* اسی طرح ایمان کی تقویت کا ایک سبب اسلام کے محاسن اور خوبیوں کی معرفت بھی ہے؛ کیونکہ دین اسلام سراپا خوبیوں سے عبارت ہے: اس کے عقائد نہایت درست، سچے اور نفع بخش ہیں، اس کے اخلاق سب سے عمدہ ہیں، اس کے اعمال و احکام سب سے بہتر اور حد درجہ مبنی برانصاف احکام ہیں۔اور ان پہلوؤں پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ایمان کو مزین کرتا ہے اور اسے اس کے یہاں محبوب بنا دیتا ہے۔

* اسی طرح ایمان کی تقویت کا ایک عظیم سبب اللہ کی عبادت میں احسان اور بندگان الٰہی کے ساتھ حسن سلوک کی کوشش اور جد و جہد کرنا ہے، چنانچہ بندہ اللہ کی عبادت میں ایسی کوشش کرے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو یہ احساس کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے، اور عمل اور اسے پختگی سے انجام

دینے کی کوشش کرتا رہے، اور بندہ مسلسل اس کی کوشش کرتا رہے گا یہاں تک کہ اس سے ایمان ویقین مضبوط ہو جائے گا اور بالآخر وہ حق الیقین تک پہنچ جائے گا جو یقین کا سب سے اونچا درجہ ہے، اور پھر اسے نیکیوں کی چاشنی ملنے لگے گی۔۔۔۔

* اسی طرح ایمان کی تقویت کا ایک سبب اللہ اور اس کے دین کی دعوت دینا اور باہم حق اور صبر کی وصیت کرنا ہے، اس سے بندہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو مکمل کرلے گا۔

* اسی طرح ایمان کی مضبوطی کا ایک اہم سبب کفر، نفاق اور فسق وگناہ کی شاخوں سے دور رہنا ہے۔

* اسی طرح ایمان کی مضبوطی کا ایک سبب فرائض کے بعد نوافل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا اور خواہش نفسانی کے غلبہ کے وقت اللہ کی محبوبات کو دیگر چیزوں پر مقدم رکھنا ہے۔

* اسی طرح ایمان کی مضبوطی کا ایک سبب اللہ کے نزول کے وقت' اُس سے مناجات، اس کے کلام کی تلاوت، اُس کے سامنے دل کو جمانے اور بندگی کے آداب بجالانے کے لئے اُس کے ساتھ تنہائی میں ہونا ہے، پھر توبہ واستغفار کے ذریعہ اس کا اختتام کرنا ہے۔

* اسی طرح ایمان کی تقویت کا ایک سبب سچے مخلص علماء کی ہم نشینی اور ان کی گفتگو کے پاکیزہ میوے حاصل کرنا ہے جیسے پاکیزہ وخوشگوار میوے جات چنے جاتے ہیں۔

* اسی طرح ایمان کی مضبوطی کا ایک سبب بندے کے دل اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان حائل ہونے والے ہر سبب سے دور رہنا ہے[1]۔

اور تینوں مراتب کے ساتھ اللہ کے اسماء حسنیٰ کی معرفت ایمان کو قوت پہنچانے والے

---

(۱) دیکھئے: مدارج السالکین، از ابن القیم، ۳/ ۱۷، والتوضیح والبیان لشجرۃ الایمان، از سعدی ص ۴۰-۶۲۔

عظیم ترین اسباب میں سے ہے؛ بلکہ اللہ کے اسماء وصفات کے ذریعہ اللہ کی معرفت ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے، اور یہی عظیم بنیاد ایمان کا مرجع ہے۔

انہی اور ان جیسے دیگر اسباب کی بنا پر اللہ کی توفیق ارزانی کے مطابق میں نے اللہ کے اسماء حسنیٰ (نہایت پیارے پیارے ناموں) کو اکٹھا کیا اور کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ سے ہر نام کی کوئی دلیل ذکر کیا، پھر ان تمام ناموں کو اپنے استاذ سماحۃ الشیخ امام علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (صدر عمومی ''ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء' مملکت سعودی عرب'') -اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ان پر رحم فرمائے- کو پیش کیا، جن ناموں کو انہوں نے باقی رکھا میں نے انہیں کتاب میں شامل کیا اور جن میں انہوں نے توقف کیا یا نفی کی میں نے انہیں کتاب سے نکال دیا، یہاں تک کہ میرے پاس صریح دلائل کے ساتھ ننیانوے سے زیادہ اسماء حسنیٰ جمع ہوگئے [1]، پھر میں نے ان ناموں میں سے ننیانوے ناموں کو چنا اور اُن کی مختصر شرح کی، سوائے بعض ناموں کے، جن میں میں نے تفصیل سے کام لیا کیونکہ ضرورت اس کی متقاضی تھی، اور میں نے ان ناموں کی شرح معتبر مراجع سے نقل کیا، بالخصوص محققین اہل سنت سے؛ جیسے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، اُن کے شاگرد امام ابن القیم رحمہ اللہ اور شیخ علامہ عبدالرحمن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، بلاشبہہ یہ بھی اُن علماء کرام میں سے ہیں جن کے علم سے اللہ نے لوگوں کو نفع پہنچایا ہے۔

میں نے اس کتاب کو حسب ذیل پندرہ مباحث میں تقسیم کیا ہے:

---

(۱) اور میں نے جن ناموں کو اپنے شیخ کو پیش کیا اور انہوں نے باقی رکھا ان میں سے جن ناموں کو اس شرح میں ذکر نہیں کیا ہے یہ ہیں: المستعان (مدد مانگا جانے والا)، المسعر (چیزوں کو سستا مہنگا کرنے والا)، الوتر (طاق، یعنی اکیلا جس کا کوئی ساجھی وشریک نہیں)۔

پہلا مبحث: اللہ کے اسماء توقیفی ہیں۔

دوسرا مبحث: اسماء حسنیٰ پر ایمان کے ارکان۔

تیسرا مبحث: اللہ کو متصف کئے جانے والے امور کی قسمیں۔

چوتھا مبحث: اسماء حسنیٰ کی دلالت کی تین قسمیں ہیں۔

پانچواں مبحث: اللہ کے اسماء میں الحاد کی حقیقت۔

چھٹا مبحث: اسماء حسنیٰ کا شمار علم کی بنیاد ہے۔

ساتواں مبحث: اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء عمدہ اور پیارے ہیں۔

آٹھواں مبحث: اللہ کے ناموں میں سے بعض کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر تنہا اور اس کے علاوہ سے مِل کر ہوتا ہے اور بعض کا اطلاق تنہا نہیں، بلکہ اُس کے مقابل سے مِل کر ہوتا ہے۔

نواں مبحث: اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے بعض اسماء کئی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔

دسواں مبحث: اللہ کے وہ اسماء حسنیٰ جو تمام اسماء وصفات کا مرجع ہیں۔

گیارہواں مبحث: اللہ کے اسماء وصفات اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں، ناموں کی یکسانیت اشخاص کی مماثلت کی موجب نہیں ہے۔

بارہواں مبحث: چند امور جن کی معلومات ہونی چاہئے۔

تیرہواں مبحث: اللہ کے اسماء حسنیٰ کے شمار کے مراتب۔

چودھواں مبحث: اسماء حسنیٰ کی تعداد محدود نہیں ہے۔

پندرہواں مبحث: انکار، تحریف، کیفیت اور مثلیت بیان کئے بغیر اللہ کے اسماء حسنیٰ کی شرح اور وضاحت۔

اور اس کتاب کا اختتام میں نے اسماء حسنیٰ کی بابت دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات و افتاء،

مملکت سعودی عرب کے فتاوٰں پر کیا ہے۔

میں نے اس کتاب کا نام ”اللہ کے اسماء حسنیٰ کی شرح، کتاب وسنت کی روشنی میں“ رکھا ہے۔ جو کچھ اللہ نے مجھے جمع کرنے کی توفیق بخشی پیش خدمت ہے، اس میں جو درست ہے احسان کرنے والے اللہ واحد کی طرف سے ہے، اور جو غلط ہے وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔

میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ اس معمولی سی کوشش کو اپنی رضا کے لئے خالص، اس کے جمع کرنے والے، پڑھنے والے اور شائع کرنے والے کو نعمتوں بھری جنتوں سے قریب کرنے والا بنائے، اور اسے ہمارے لئے حجت بنائے' ہمارے خلاف حجت نہ بنائے، اور اس کے ذریعہ اس کے جمع کرنے والے کو اور جس تک بھی یہ کتاب پہنچے اُسے نفع پہنچائے، بیشک وہ نہایت بہتر ذات ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے اور بڑا سخی ہے جس سے آس لگائی جاتی ہے، وہ ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے، اور اللہ عظیم و برتر کے علاوہ کسی کو کوئی قوت نہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، سلامتی اور بارکت نازل فرمائے اپنے بندہ ورسول، اپنی مخلوق کے چنندہ اور اپنی وحی کے امین' ہمارے نبی و امام محمد بن عبد اللہ ﷺ پر، آپ کے آل واصحاب پر اور قیامت تک ان کے سچے متبعین پر، اور اللہ عظیم و برتر کے علاوہ کسی کو کوئی قوت وتصرف نہیں۔

تحریر کنندہ:

اللہ کا بندہ محتاج

سعید بن علی بن وہف القحطانی

ہفتہ کی شب ۱۲/ ۷/ ۱۴۰۹ھ۔

پہلا مبحث: اللہ کے اسماء توقیفی ہیں

اللہ کے اسماء توقیفی ہیں اُن میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے اللہ کے ناموں کے سلسلہ میں جو کچھ کتاب وسنت میں آیا ہے اُسی پر توقف کرنا واجب ہے، اُس میں کچھ اضافہ کیا جاسکتا ہے نہ کمی کی جاسکتی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کن ناموں کا مستحق ہے عقل کے لئے اُس کا ادراک ممکن نہیں، اس لئے اس بارے میں نص پر توقف کرنا ضروری ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۚ إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُو۟لَـٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا ﴿٣٦﴾ ﴾ [الاسراء: ٣٦]۔

جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَـٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ [الاعراف: ٣٣]۔

آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس

بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگادو جس کو تم جانتے نہیں۔

اوراس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ایسا نام دینا جس سے خود اُس نے اپنے آپ کو موسوم نہیں کیا ہے، یا جن ناموں سے اُس نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے اُن کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ کے حق میں ایک ناقابل معافی جرم ہے، لہٰذا اس باب میں ادب کی راہ اپنانا اور نص میں آئی ہوئی بات ہی پر اکتفا کرنا واجب اور ضروری ہے[1]۔

---

(۱) القواعد المثلی فی صفات اللہ وأسمائہ الحسنی، از شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ، ص ۱۳، نیز دیکھئے: بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱ / ۱۶۲۔

دوسرا مبحث:

اسماء حسنیٰ پر ایمان کے ارکان

۱۔ نام پر ایمان۔

۲۔ نام جس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اُس پر ایمان۔

۳۔ نام سے متعلقہ آثار پر ایمان۔

چنانچہ ہمیں ایمان رکھنا ہے کہ اللہ ''رحیم'' ہے، یعنی ایسی رحمت والا ہے جو ہر چیز کو شامل ہے، اور وہ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

''قدیر'' ہے یعنی قدرت والا ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

''غفور'' ہے یعنی بخشش و مغفرت والا ہے، اور وہ اپنے بندوں کی بخشش فرماتا ہے[۱]۔

(۱) مختصر الأجوبة الأصولية شرح العقيدة الواسطية، از عبد العزیز السلمان، ص ۲۷۔

تیسرا مبحث:
اللہ کو متصف کئے جانے والے امور کی قسمیں

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو چیزیں رب سبحانہ وتعالیٰ کی صفت یا اُس کی بابت خبر واقع ہوتی ہیں اُن کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ چیزیں جن کا تعلق خود ذات باری تعالیٰ سے ہے، جیسے آپ کہیں: ذات، موجود اور چیز۔

دوسری قسم: وہ چیزیں جن کا تعلق اللہ کی معنوی صفات سے ہے، جیسے: العلیم، القدیر اور السمیع۔

تیسری قسم: وہ چیزیں جن کا تعلق اللہ کے افعال سے ہے، جیسے: الخالق، الرزاق۔

چوتھی قسم: وہ چیزیں جن کا تعلق خالص تنزیہ و براءت (اللہ کو عیوب ونقائص سے پاک کرنے) سے ہے، اور اس کا ثبوت پر مشتمل ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ خالص عدم (بالکلیہ نفی) میں کوئی کمال نہیں ہوتا، جیسے: القدوس، السلام۔

پانچویں قسم: اور اسے اکثر لوگوں نے ذکر نہیں کیا ہے، وہ نام جو اجمالی طور پر کئی اوصاف پر دلالت کرتا ہو جو کسی ایک معین صفت کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ کسی مفرد معنیٰ کے بجائے

بہت سے معانی پر دلالت کرتا ہو، جیسے: المجید، العظیم، الصمد؛ کیونکہ مجید وہ ہوتا ہے جو کئی اوصاف کمال سے متصف ہو، اور اس کا لفظ اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ لفظ وسعت، کثرت اور زیادتی کے لئے بنایا گیا ہے، کیونکہ عربوں کا قول "اسْتَمْجَدَ المرْخُ والعَفَارُ"[1] (مرخ اور عفار- دو قسم کے پودے- نے اپنا بھرپور حصہ لے لیا) اور "أمجد الناقة علفاً" (اونٹنی کو خوب فراوانی سے چارا کھلایا) اسی سے ماخوذ ہیں۔

اور اسی سے فرمان باری تعالیٰ:

﴿ذُو ٱلۡعَرۡشِ ٱلۡمَجِيدُ ﴿١٥﴾﴾ [البروج:۱۵]۔

عرش کا مالک عظمت والا ہے۔

بھی ہے، جس میں "المجید" عرش کی صفت ہے، کیونکہ عرش نہایت کشادہ، عظیم اور محترم ہے[2]۔

ذرا غور کریں کہ یہ نام کس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے رسول ﷺ پر رحمت نازل کرنے کی درخواست کے ساتھ آیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ہمیں سکھلایا ہے؛ کیونکہ یہ بڑھوتری کے حصول اور اللہ کی کشادہ نوازش اور اس کی کثرت وہمیشگی کی درخواست کا موقع ہے، اس لئے اس مطلوب کے لئے آپ ﷺ نے اللہ کے اُس نام کا انتخاب کیا جو تقاضہ کے عین مطابق تھا، جیسے آپ دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم

---

(۱) المرخ: ایک پودا ہے جس میں بہت جلد آگ لگتی ہے، اور محاورہ ہے: "في كُلِّ شَجرٍ نارٌ، واسْتَمجَدَ الْمَرْخُ والعَفَارُ" (ہر درخت میں آگ ہے، اور مرخ وعفار نامی پودوں نے بھرپور حصہ لے لیا ہے)، اور العفار: زند کو یعنی اس لکڑی کے اوپری حصہ کو کہتے ہیں جس سے آگ کریدی جاتی ہے، الصحاح فی اللغۃ، مادہ (مرخ)۔

(۲) امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "المجید میں دو قراءتیں ہیں: رب عزوجل کی صفت مان کر رفع یعنی پیش، اور عرش کی صفت مان کر جر یعنی زیر، اور دونوں معانی صحیح ہیں"، ۴/۴۹۷۔

فرما، بے شک تو بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے''، اس موقع پر ''بے شک تو بڑا سننے دیکھنے والا ہے'' کہنا بہتر نہیں ہے، کیونکہ اس کا تعلق اُس سے ہے جس کے اسماء وصفات کا وسیلہ لیا جارہا ہے، اور یہ اُس تک سب سے قریب اور محبوب ترین وسیلہ ہے۔

اور اسی قبیل سے مسند احمد اور جامع ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے:

''أَلِظُّوا[1] بِيَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ''[2]۔

(اپنی دعاؤں میں) یاذاالجلال والاکرام (اے جلال و کرم والے) کا اہتمام اور پابندی کرو۔

نیز اسی قبیل سے یہ دعا بھی ہے:

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ''[3]۔

اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلہ سے مانگتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، تیرے سوا کوئی سچا عبادت کے لائق نہیں، تو احسان کرنے والا، آسمانوں اور زمین

---

(۱) أَلظوا: یعنی اسے لازم پکڑلو، اس پر جمے رہو، اور اپنی دعاؤں میں اسے خوب پڑھا اور بولا کرو۔ کہا جاتا ہے: ''أَلَظَّ بِالشَّيْءِ يُلِظُّ إِلْظَاظاً'' جب کوئی کسی چیز کو لازم پکڑلے اور اس کی خوب پابندی کرے۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر، مادہ (لَظَظَ)۔

(۲) جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹۱، حدیث (۳۵۲۵)، ومسند احمد، ۴/ ۱۷۷، ومستدرک الحاکم، ۱/ ۴۹۹، اور فرمایا ہے کہ: ''اس کی سند صحیح ہے''۔ اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور علامہ البانی نے اسے ''الصحیحہ'' (حدیث ۱۵۳۶) میں، اور صحیح الجامع (حدیث ۱۱۵۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) سنن ابوداود، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث (۱۴۹۵)، وجامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹۹، حدیث (۳۵۴۴)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اسم اللہ الأعظم، حدیث (۳۸۵۸)، وسنن النسائی، کتاب السہو، باب الدعاء بعد الذکر، حدیث (۱۲۹۸)، اور علامہ البانی نے صحیح سنن ابوداود (حدیث ۱۴۹۵) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کا انوکھا ہے، اے جلال و عظمت والے۔

یہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور اُس کی طرف اس کی حمد وثنا اور اس بات کا وسیلہ ہے کہ وہی احسان فرمانے والا ہے جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں، چنانچہ یہ اللہ کی طرف اس کے اسماء وصفات کا وسیلہ ہے، کتنی قبولیت کے لائق ہے یہ دعا اور اللہ کے یہاں کتنا عظیم مقام ہے اس کا! اور یہ توحید کے ابواب میں سے ایک عظیم باب ہے، جس کی جانب ہم نے محض اشارہ کیا ہے، ورنہ اللہ کے بصیرت یافتگان کے لئے یہ چیز نہایت واضح ہے۔

آیئے اپنے مقصد کی طرف پلٹیں یعنی اللہ کو ایسے نام سے متصف کرنا جو متعدد صفات پر مشتمل ہو۔ چنانچہ ''العظیم'' وہ ہے جو بہت سے اوصاف کمال سے متصف ہو۔

اسی طرح ''الصمد'' بھی ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

الصمد اس سردار کو کہتے ہیں جو اپنی سرداری میں مقام کمال پر فائز ہو۔

اور ابن وائل فرماتے ہیں:

الصمد: وہ سردار ہے جس کی سرداری انتہا و کمال کو پہنچ گئی ہو۔

عکرمہ فرماتے ہیں: الصمد: وہ ہوتا ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو۔

اسی طرح زجاج فرماتے ہیں:

جس پر سرداری کا خاتمہ ہو جائے تو سمجھ لو کہ ہر چیز اس کے تابع اور ماتحت ہو چکی ہے۔

اور ابن الانباری فرماتے ہیں:

اہل لغت کے یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ صمد وہ سردار ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو، جس کی طرف لوگ اپنی ضروریات اور مسائل میں رجوع کرتے ہوں۔ اور اس کا اشتقاق اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس میں جمع اور قصد و ارادہ کا معنیٰ پایا جاتا ہے، یعنی صمد وہ ہے

جسکی طرف ارادہ پختہ ہوگیا ہو اور اُس ذات میں سرداری کی تمام تر صفات جمع ہوگئی ہوں، عربی زبان میں اس لفظ کی اصل یہی ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

أَلا بَكَرَ النّـاعِي بِخَـيرَيِ بَنِي أَسَـدْ

بِعَمرِو بنِ مَسعُودٍ، وبالسَّيِّدِ الصَّمَدْ

ہائے! موت کی خبر دینے والے نے صبح سویرے ہی بنو اسد کے دو چہیتوں کے موت کی خبر دیدی، عمرو بن مسعود کی اور اس کی جو سردار اور لوگوں کا مرجع تھا۔

اور اہل عرب اپنے سر برآوردہ اور معزز لوگوں کو ''صمد'' کہا کرتے تھے؛ کیونکہ لوگ اس کا قصد کیا کرتے تھے اور اُس میں سرداری کی تمام خوبیاں اکٹھا ہوتی تھیں۔

چھٹی قسم: وہ صفت جو دو ناموں اور دو صفتوں میں سے ایک کے دوسرے سے ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور وہ صفت دونوں الگ الگ صفتوں سے ایک اضافی چیز ہوتی ہے، جیسے: الغنی الحمید (قابل تعریف مالدار)، العفو القدیر (طاقتور معاف کرنے والا) اور الحمید المجید (قابل تعریف وسعتوں والا)۔ اسی طرح قرآن کریم میں وارد باہم ملنے والے تمام صفات اور دوہرے نام؛ کیونکہ مالداری بھی صفت کمال ہے، حمد و ستائش بھی صفت کمال ہے اور مالداری اور حمد وثنا کا اکٹھا ہونا ایک دوسرا صفت کمال ہے، چنانچہ مالداری میں اللہ کی تعریف ہے، حمد میں اللہ کی تعریف ہے اور دونوں کے اکٹھا ہونے میں بھی اللہ کی تعریف ہے، اور یہی معاملہ العفو القدیر، الحمید المجید اور العزیز الحکیم کا بھی ہے، لہٰذا اس میں غور کرو کیونکہ یہ نہایت شرف والا علم ہے۔

رہا مسئلہ خالص سلبی (منفی) صفات کا تو وہ اللہ کے صفات میں داخل نہیں ہیں الا یہ کہ وہ ثبوت وایجاب کو شامل ہوں، جیسے: صفت ''الأحد'' (ایک، اکیلا) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

والوہیت میں منفرد ہونے کو شامل ہے، اسی صفت ''السلام'' ہے جو اللہ تعالیٰ کے کمال کے منافی ہر نقص وعیب سے اُس کی براءت وحفاظت کو متضمن ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی چیز کے سلب یا نفی کی خبر اسی لئے ہوا کرتی ہے کہ وہ ثبوت وایجاب پر مشتمل ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ [البقرة:٢٥٥]۔

جسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔

کیونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے کمال زندگی اور اس کی قیومیت کو شامل ہے، اسی طرح اللہ کا ارشاد گرامی:

﴿وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ ﴿٣٨﴾﴾ [ق:٣٨]۔

اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں۔

اس کے کمال قدرت کو شامل ہے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان:

﴿وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ﴾ [یونس:٦١]۔

اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں۔

اُس کے کمال علم ومعرفت کو شامل ہے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان:

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ﴿٣﴾﴾ [الاخلاص:٣]۔

نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔

اُس کے کمال سرداری اور مالداری کو شامل ہے۔

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ﴿٤﴾﴾ [الاخلاص: ۴]۔

اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

اللہ کے کمال وحدانیت وانفرادیت کو شامل ہے، نیز یہ کہ اس کا کوئی نظیر وہمسر نہیں۔

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ:

﴿لَّا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَٰرُ﴾ [الأنعام: ۱۰۳]۔

اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کو شامل ہے، نیز یہ کہ وہ اس ادراک سے کہیں بلند ہے کہ اُس کا احاطہ کیا جا سکے، اور یہ چیز اللہ کے تمام سلبی صفات میں عام ہے[۱]۔

❁ ❁ ❁

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۵۹-۱۶۱، پھر آگے فرمایا: کچھ باتیں ہیں جن کا علم حاصل کرنا ضروری ہے، اور پھر بیس فوائد ذکر کئے ہیں، جو سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہیں، لہٰذا رجوع کریں، ۱/ ۱۵۹-۱۷۰۔

چوتھا مبحث:
اسماء حسنیٰ کی دلالت کی تین قسمیں ہیں

اللہ کے سارے نام نہایت اچھے اور پیارے ہیں، اور سارے نام مطلق کمال اور مطلق حمد وستائش پر دلالت کرتے ہیں، اور سارے نام اپنے اوصاف سے مشتق وماخوذ ہیں، لہٰذا اِن میں نہ تو صفت علَمیت (نام) کے منافی ہے اور نہ ہی نام صفت کے منافی ہے، اور اِن کی دلالت کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ دلالت مطابقت: یعنی جب ہم نام کی تفسیر اس کے تمام معانی کے ذریعہ کریں۔

۲۔ دلالت تضمن: یعنی جب ہم نام کی تفسیر اس کے بعض معانی کے ذریعہ کریں۔

۳۔ دلالت التزام: یعنی جب ہم اس نام کے ذریعہ دیگر اُن ناموں پر استدلال کریں جن پر وہ نام موقوف ہے۔ مثلاً ''الرحمٰن'' کی دلالت صفت رحمت اور اللہ کی ذات پر دلالت مطابقت ہے، اور اُن دونوں میں سے ایک پر دلالت تضمن ہے؛ کیونکہ وہ ضمن میں داخل ہے، اور اس کی دلالت ان ناموں پر جن کے ثبوت کے بغیر رحمت کا وجود ہی نہیں ہوسکتا، جیسے حیات، علم، ارادہ، اور قدرت وغیرہ دلالت التزام ہے۔ اور اس آخری دلالت کے لئے ٹھوس غور فکر درکار ہوتی ہے، اور اس میں اہل علم کے درجات مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ اس کی معرفت کا راستہ یہ ہے کہ جب آپ لفظ کو اور اس کے معنیٰ ومدلول کو اچھی طرح سمجھ

لیں، تو پھر غور کریں کہ وہ کن چیزوں پر موقوف ہے، جن کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ قاعدہ آپ کے لئے تمام شرعی نصوص میں مفید ہوگا، چنانچہ اسماء حسنیٰ کی یہ تینوں دلالتیں حجت ہیں کیونکہ وہ معصوم ومحکم ہیں (۱)۔

پانچواں مبحث:

اللہ کے اسماء میں الحاد کی حقیقت

اللہ کے ناموں میں الحاد کی حقیقت یہ ہے کہ اُنہیں سیدھے مفہوم سے مائل کردیا جائے: یا تو اُن میں کسی مخلوق کی شرکت ثابت کرکے، جیسے مشرکین کا الحاد، جنہوں نے اپنے معبودوں کے نام اللہ کے صفات سے مشتق کئے، جو اللہ ہی کے لئے لائق وزیبا ہیں، جیسے انہوں نے لات کا نام ''الالٰہ'' سے رکھا، عزیٰ کا نام ''العزیز'' سے رکھا اور منات کا نام ''المنان'' سے رکھا، اور ہر مشرک جو کسی مخلوق سے وابستہ ہوتا ہے وہ اپنے معبود کا نام ربوبیت والوہیت کی خصوصیات ہی سے مشتق کرتا ہے تاکہ اُس کی عبادت کے لئے وجہ جواز بن سکے۔ اور ساری مخلوق میں سب سے بڑے ملحد وحدۃ الوجودیوں کا وہ گروہ ہے جن کا کہنا یہ ہے کہ رب عین مربوب (مخلوق) ہے، چنانچہ ان کے یہاں ہر اچھے بُرے نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے! اللہ

(۱) توضیح الکافیۃ الشافیۃ، از شیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ص ۱۳۲۔

سبحانہ وتعالیٰ ان کی بات سے بہت بلند و بالا ہے۔ یا الحاد صفات الٰہی کی کی نفی اور ایسے ناموں کے اثبات کے ذریعہ ہو جن کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جیسے فرقہ جہمیہ اور اس ہم خیالوں نے کیا۔ اور یا تو الحاد وجود باری کے بالکلیہ انکار کی غرض سے اللہ کے صفات کا سرے سے انکار کر کے ہو، جیسے زندیق فلاسفہ نے کیا، الغرض ان ملحدین نے صراط مستقیم سے بھٹک کر جہنم کی راہوں کا قصد کر رکھا ہے (۱)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾﴾ [الاعراف: ۱۸۰]۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

اللہ کے ناموں میں الحاد کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں، اُن کے حقائق اور معانی کو اُن کے ثابت حق سے پھیر دیا جائے، یہ لفظ ''میل'' (میلان) سے ماخوذ ہے، جیسا کہ اُس کے مادہ (ل ح د) سے معلوم ہوتا ہے، اسی سے لحد بھی ہے یعنی قبر کے گوشے کا شگاف جو درمیانی حصے سے مائل ہوتا ہے، اور اسی سے مُلحد (دین میں الحاد کرنے والا) بھی ہے، جو حق سے باطل کی طرف مائل ہوتا ہے۔

ابن السکّیت فرماتے ہیں: مُلحد وہ کہلاتا ہے جو حق سے مائل اور دین میں بے دینی

(۱) توضیح الکافیۃ الشافیۃ، از شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ص ۳۳۔

داخل کرنے والا ہو۔ اور اسی سے ملتحد بھی ہے جو اُسی مادہ سے مفتعل کے وزن پر ہے، اور فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾﴾ [الکهف: ۲۷]۔

تو اس کے سوا ہر گز ہر گز کوئی پناہ کی جگہ نہ پائے گا۔

کا معنیٰ یہ ہے کہ: اللہ کو چھوڑ کر تجھے کوئی نہ ملے گا جس کی طرف تو مائل ہو، بھاگے، پناہ لے، اور گریہ وزاری کرے۔

کیونکہ جب کوئی کسی کی طرف مائل ہو تو عرب کہتے ہیں: ''التحد فلان إلى فلان''یعنی فلاں نے فلاں کی طرف التحاد کیا (مائل ہوا)۔

اب جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اللہ کے ناموں سے بتوں اور مورتیوں کا نام رکھا جائے، جیسے مشرکین کا ''اِلٰہ'' سے لات کا نام رکھنا اور ''العزیز'' سے عزیٰ کا نام رکھنا۔ اسی طرح بُت اور مورتی کو اِلٰہ (معبود) کا نام دینا وغیرہ، یہ حقیقی الحاد ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ عزوجل کے ناموں کو اپنے بتوں اور باطل معبودوں کی طرف پھیر دیا۔

دوسری قسم: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ایسے نام دینا جو اس کے جلال وعظمت کے شایان شان نہیں، جیسے نصاریٰ (عیسائیوں) کا اللہ تعالیٰ کو باپ کہنا، اور فلاسفہ کا اللہ تعالیٰ کو موجب بذاتہ (خود واجب کرنے والا) یا علۃ فاعلۃ بالطبع (خود سے کام کرنے والی علت) وغیرہ ناموں سے موسوم کرنا۔

تیسری قسم: اللہ تعالیٰ کو عیوب ونقائص سے متصف کرنا جن سے اللہ تعالیٰ منزہ اور بالاتر ہے، جیسے خبیث ترین یہودیوں کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ومحتاج ہے! (نعوذ باللہ) نیز یہ کہنا کہ

اللہ نے اپنی مخلوقات کی پیدائش کے بعد آرام کیا، اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ:

﴿يَدُ ٱللَّهِ مَغْلُولَةٌۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا۟ بِمَا قَالُوا۟﴾ [المائدۃ: ٦٤]۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی۔

اور اس قسم کی دیگر مثالیں اللہ کے اسماء وصفات میں الحاد ہیں۔

چوتھی قسم: اللہ کے ناموں کو ان کے معانی سے بے دخل کر دینا (معانی کا انکار کرنا) اور اُن کی حقیقتوں کا انکار کرنا، جیسے جہمیہ اور ان کے متبعین کا کہنا ہے کہ: یہ اسماء محض الفاظ ہیں جو صفات اور معانی پر مشتمل نہیں ہیں، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ پر السمیع (سننے والا)، البصیر (دیکھنے والا)، الحی (زندہ)، الرحیم (رحم کرنے والا)، المتکلم (بات کرنے والا)، المرید (ارادہ کرنے والا) وغیرہ ناموں کا اطلاق تو کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی کہتے ہیں: نہ اللہ تعالیٰ کو زندگی ہے، نہ اُسے سماعت ہے، نہ بصارت ہے، نہ کلام وگفتگو ہے اور نہ ہی کوئی ارادہ ہے جو اس سے متعلق ہو! جب کہ یہ عقل، شریعت، زبان عرب اور فطرت ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے بڑا الحاد ہے اور مشرکین کے الحاد کے بالمقابل ہے؛ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کے اسماء وصفات اپنے (باطل) معبودوں کو دیدیا اور اِنہوں نے اللہ تعالیٰ سے تمام تر اوصاف کمال سلب کرلیا اور اُن کا انکار کردیا، اسطرح اللہ کے اسماء میں دونوں طبقے ملحد (الحاد کرنے والے) ہیں، پھر جہمیہ اور اُن کے انڈے بچے اس الحاد میں مختلف ہیں، کچھ غلو پسند، متشدد ہیں، کچھ متوسط ہیں اور کچھ ٹھُیس خوردہ۔

اور ہر شخص جو اللہ کی کسی صفت کا انکار کرے گا جس سے اللہ نے خود کو متصف کیا ہے یا جس سے رسول ﷺ نے اللہ کو متصف کیا ہے، وہ اللہ کے نام میں الحاد کرنے والا ہوگا، اب وہ کم

کرے یا زیادہ۔

پانچویں قسم: اللہ تعالیٰ کی صفات کو اُس کی مخلوقات کی صفات سے تشبیہ دینا، اللہ تعالیٰ ان تشبیہ دہندوں کی بات سے بہت بلند ہے۔ چنانچہ یہ الحاد معطلہ کے الحاد کے بالمقابل ہے، کیونکہ اُنہوں نے اللہ کے صفت کمال کی نفی اور اُس کا انکار کیا، اور اِنہوں نے اللہ کے صفات کو اللہ کی مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیا، چنانچہ یہ الحاد میں مشترک ہیں لیکن اِن کے طریقے الگ الگ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے متبعین اور آپ کی سنت پر قائم آپ کے وارثین کو ان تمام باتوں سے محفوظ رکھا، چنانچہ انہوں نے اللہ کو انہی صفات سے متصف کیا جن سے اللہ نے خود اپنے آپ کو موصوف کیا ہے، نہ اللہ کی صفات کا انکار کیا، نہ اُنہیں مخلوقات کی صفات سے تشبیہ دیا، اور نہ ہی اللہ کے نازل کردہ الفاظ و معانی سے کسی طرح انحراف و میلان کا شکار ہوئے، بلکہ اللہ کے تمام اسماء و صفات کو ثابت کیا، اور اللہ کی ذات سے مخلوقات کی مشابہت کی نفی کی، چنانچہ اُن کا اثبات تشبیہ سے محفوظ رہا اور اُن کی تنزیہ و تقدیس تعطیل و انکار سے خالی رہی! اُس کی طرح نہیں جس نے اللہ کی ایسی تشبیہ دی گویا وہ کوئی بُت پوج رہا ہو، یا ایسا انکار کیا کہ گویا محض عدم کی عبادت کر رہا ہو۔

اور اہل سنت تمام فرقوں میں ایسے ہی متوسط و معتدل ہیں جیسے اہل اسلام تمام ملتوں میں متوسط و میانہ ہیں، ان کے علوم و معارف کے چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے روشن کئے جاتے ہیں، جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی رہنمائی کرتا ہے۔

لہٰذا ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں اپنے نور کی رہنمائی فرمائے، اور اپنی رضا اور اپنے

رسول ﷺ کی اتباع کی راہ تک رسائی آسان فرمائے، یقیناً وہ بڑا قریب اور دعائیں قبول کرنے والا ہے [1]۔

۞ ۞ ۞

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، معمولی تصرف کے ساتھ، ۱/ ۱۶۹-۱۷۰۔ اورامام ابن القیم رحمہ اللہ، اللہ کے اسماء حسنیٰ کے سلسلہ میں بیس فوائد ذکر فرمانے کے بعد اخیر میں رقمطراز ہیں:

''چنانچہ یہ اللہ کے اسماء حسنیٰ کے بارے میں بیس فوائد ہیں، اس میں وہ قاعدہ بھی شامل کرلیا جائے جو ہم نے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو متصف کئے جانے والے امور کی قسموں سے شروع کیا تھا، لہٰذا پہلے آپ ان کی معرفت حاصل کریں اوران کی رعایت اور اہتمام کریں، اور پھر اگر سمجھنے والا دل، بولنے والی زبان اور قبول کرنے والی جگہ میسر آئے تو' اللہ کے اسماء حسنیٰ کی شرح کریں، بصورت دیگر آپ کے لئے خاموشی بہتر ہے، کیونکہ مقام ربوبیت خیالات میں آنے والی چیزوں اور تعبیر کی جانے والی باتوں سے کہیں بلند وبرتر اور عزت والا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝٧٦ ﴾ [یوسف:۷۶]۔

اور ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔

یہاں تک کہ اس ذات تک پہنچ کر علم کی انتہا ہوجاتی ہے' جس نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے۔ امید کہ ان قواعد کے احکام کی رعایت کرتے ہوئے، اللہ کے اسماء حسنیٰ میں الحاد وکجروی سے اوراس کے صفات کے انکار وعدم اثبات سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسماء حسنیٰ کی شرح لکھنے میں مدد فرمائے، کہ وہی اپنے فضل کا احسان کرنے والا ہے، اور اللہ بڑے عظیم فضل والا ہے''۔ دیکھئے: بدائع الفوائد، ۱/ ۱۵۹-۱۷۰۔

چھٹا مبحث:

اسماء حسنیٰ کا شمار علم کی بنیاد ہے

اسماء حسنیٰ کا شمار اور اس کا علم تمام معلومات کے علم کی بنیاد ہے، کیونکہ اللہ کے سوا تمام معلومات یا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں گی یا اللہ کا حکم۔ یا اللہ کی کائنات کا علم ہوں گی یا اُس کی شریعت کا علم ہوں گی، اور تخلیق وحکم کا مصدر وسر چشمہ اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں، اور یہ دونوں چیزیں (تخلیق وحکم) اللہ کے اسماء حسنیٰ سے ایسے ہی مرتبط اور وابستہ ہیں جیسے تقاضہ اپنے تقاضہ کرنے والے سے وابستہ ہوتا ہے، چنانچہ سارے حکم کا مصدر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں، اور یہ حکم پورا کا پورا عمدہ اور اچھا ہے' بندوں کے مصالح، اُن پر رحمت وشفقت اور احسان وکرم سے خارج نہیں' بشرطیکہ بندے اللہ کے اوامر ونواہی کی تکمیل کریں' کیونکہ اللہ کا تمام تر حکم سراپا مصلحت، حکمت، رحمت، اور لطف وکرم ہے؛ اس لئے کہ اس کا مصدر اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل بھی عدل، حکمت، مصلحت اور رحمت سے خارج نہیں ہے، کیونکہ اُس کا مصدر بھی اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں، لہذا اللہ کی تخلیق میں نہ کوئی خلل ہے نہ لغو، اور نہ ہی اللہ نے اپنی مخلوق کو باطل، فضول اور بے مقصد پیدا کیا ہے۔

اور جس طرح اللہ کے سوا ہر موجود اللہ ہی کے ایجاد سے ہے، اسی طرح اللہ کے ماسوا کا وجود اللہ کے وجود کے ایسے ہی تابع ہے جیسے مخلوق اپنے خالق کے تابع ہوتی ہے، تو اسی

طرح اللہ کے اسماء حسنیٰ کا علم تمام ماسوا کے علم کی بنیاد ہے، چنانچہ اللہ کے اسماء کا علم اور ان کا شمار تمام علوم کی اساس اور جڑ ہے، لہٰذا جو اللہ کے اسماء کا کما حقہ شمار کرے گا تمام علوم کا احاطہ اور شمار کرے گا؛ کیونکہ اللہ کے اسماء کا شمار درحقیقت تمام علوم کے شمار کی بنیاد ہے؛ اس لئے کہ تمام تر معلومات اللہ کے اسماء حسنیٰ کا تقاضہ اور انہی سے وابستہ ہیں اور تخلیق وحکم کا صدور اللہ ہی کے علم وحکمت سے ہونے کے آرزومند ہیں؛ اسی لئے آپ کو اُن میں کوئی خلل یا بدسلیقگی نہ ملے گی؛ کیونکہ بندے کو دیئے گئے حکم یا سرانجام دیئے گئے کام میں واقع ہونے والے خلل کا سبب یا تو جہالت ولاعلمی ہوتی ہے یا عدم حکمت! اور چونکہ رب سبحانہ و تعالیٰ نہایت علم اور حکمت والا ہے، اس لئے اُس کے کام یا حکم میں کوئی خلل، بدنظمی یا ٹکراؤ کا شائبہ ہو ہی نہیں سکتا[1]۔

۞ ۞ ۞

ساتواں مبحث:

اللہ کے تمام اسماء نہایت عمدہ ہیں

اللہ کے تمام اسماء نہایت اچھے ہیں، اُن میں سے کوئی نام بھی سرے سے اس کے علاوہ نہیں ہے، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ کے بعض ناموں کا اطلاق اللہ پر فعل کے اعتبار

---

(۱) بدائع الفوائد، از امام القیم، ۱/ ۱۶۳۔

سے ہوتا ہے، جیسے الخالق (پیدا کرنے والا)، الرازق (روزی دینے والا)، المحیی (زندہ کرنے والا) اور الممیت (موت دینے والا)، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے تمام اسماء سراپا خیر و بھلائی ہیں ان میں سرے سے کوئی شر و برائی نہیں ہے، کیونکہ اگر اللہ نے کوئی بُرا کام کیا ہوتا تو کوئی نام اُس سے بھی مشتق ہوتا، اللہ کے تمام اسماء عمدہ اور بہترین نہ ہوتے، جبکہ یہ باطل ہے، اللہ تعالیٰ کو شر و برائی سے کوئی سروکار نہیں ہے، نہ اللہ کے صفات میں شر داخل ہے، نہ اُس کی ذات سے وابستہ ہے اور نہ ہی اُس کے افعال میں داخل ہے، لہٰذا اللہ کو شر سے کوئی نسبت نہیں، اُس کی طرف شر کی نسبت فعلی یا وصفی کسی بھی طرح نہیں کی جاسکتی، بس شر اللہ کے مفعولات میں داخل ہے۔ اور فعل (کرنے) اور مفعول (کی ہوئی چیز) میں نمایاں فرق ہے، کیونکہ شر اُس مفعول (کردہ) سے متعلق ہے جو اللہ سے الگ ہے، نہ کہ اُس فعل (کرنے) سے جو اللہ کا عمل ہے! لہٰذا اسے اچھی طرح سمجھ لیں، کیونکہ یہ چیز بہت سے متکلمین سے اوجھل رہ گئی، اور اس میں بہت سے قدم پھسل گئے اور بہت سی عقلیں بہک گئیں، البتہ اس اختلاف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اہل حق کو ہدایت عطا فرمائی، اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے[۱]۔

---

(۱) بدائع الفوائد، از امام القیم، ۱/ ۱۶۳۔

آٹھواں مبحث:

اللہ کے ناموں میں سے بعض کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر علیٰحدہ اور دوسرے نام سے مِل کر ہوتا ہے اور بعض کا اطلاق علیٰحدہ نہیں، بلکہ اُس کے مقابل سے مِل کر ہوتا ہے

اللہ کے ناموں میں سے بعض کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر علیٰحدہ اور دوسرے ناموں سے مِلکر ہوتا ہے، اور زیادہ تر نام ایسے ہی ہیں، جیسے القدیر (قدرت والا)، السمیع (سننے والا)، البصیر (دیکھنے والا)، العزیز (غالب) اور الحکیم (دانا وحکمت والا)۔

ان جیسے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو علیٰحدہ اور دوسرے نام سے ملا کر، دونوں طرح پکارنا درست ہے، چنانچہ آپ کہہ سکتے ہیں: یاعزیز یاحلیم (اے غالب، اے حلیم و بردبار)، یاغفور یا رحیم (اے بخشنے والے، اے مہربان)، اور ہر نام کو علیٰحدہ بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح اللہ کی حمد وثنا اور اللہ کی بابت کوئی بات بتلانے کے لئے بھی علیٰحدہ و اکٹھا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اور بعض ناموں کا اطلاق علیٰحدہ نہیں، بلکہ اُس کے مقابل سے مِلکر ہوتا ہے، جیسے: المانع (روکنے والا)، الضار (نقصان پہنچانے والا) اور المنتقم (انتقام لینے والا)، چنانچہ ان جیسے ناموں کو اُن کے بالمقابل ناموں سے الگ نہیں کیا جا سکتا، یہ نام (بالترتیب) المعطی (عطا کرنے والا)، النافع (نفع پہنچانے والا) اور العفو (عفو و درگزر کرنے والا) سے جُڑے ہوئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ المعطی المانع (دینے، نہ دینے والا)، الضار النافع (ضرر و نفع پہنچانے والا)، المنتقم العفو (بدلہ لینے اور معاف کرنے والا) اور المعز المذل (عزت و ذلت دینے والا) ہے، کیونکہ یہاں کمال ان ناموں میں سے ہر نام کے اپنے بالمقابل سے ملنے میں ہے؛ اس لئے کہ اس کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ربوبیت، مخلوق کی تدبیر اور دینے، روکنے، نفع، نقصان اور معافی و انتقام وغیرہ کے ذریعہ اُن میں تصرف میں یکتا اور منفرد ہے۔ البتہ محض روکنے، انتقام لینے اور نقصان پہنچانے کی صفت کے ذریعہ اللہ کی مدح و ثنا کرنا روا اور درست نہیں۔

چنانچہ ان دوہرے ناموں کو ایک نام کی طرح سمجھا جائے گا جس کے بعض حروف کو بعض سے جُدا کرنا منع ہوتا ہے، لہٰذا انہیں ایک سے زیادہ ہونے کے باوجود ایک ہی نام کی جگہ سمجھا جائے گا؛ اسی لئے یہ نام علیٰحدہ نہیں آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق مرکب ہی کیا گیا ہے، لہٰذا اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ بنابریں اگر آپ یامذل (اے ذلت دینے والے)، یاضار (اے نقصان پہنچانے والے) یامانع (اے نہ دینے والے) کہیں گے اور اس کی خبر دیں گے تو اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے نہ کہلائیں گے، تا آنکہ ان کے بالمقابل ناموں کا ذکر کریں[1]۔

❁ ❁ ❁

(۱) بدائع الفوائد، از امام القیم، ۱/ ۱۶۷۔

نواں مبحث:
اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے بعض اسماء کئی صفات پر دلالت کرتے ہیں

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے بعض نام کئی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور وہ نام اُن تمام صفات کو ایسے ہی سموئے ہوتا ہے جیسے ایک صفت پر دلالت کرنے والا نام اُس صفت کو سموئے ہوتا ہے۔۔۔ جیسے اللہ کا نام: العظیم (عظمت والا)، المجید (وسعتوں والا) اور الصمد (بے نیاز)، جیسا کہ امام ابن ابی حاتم کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”الصَّمَدُ السَّيِّدُ الَّذِي قَدْ كمل فِي سُؤْدَدِهِ، وَالشَّرِيفُ الَّذِي قَدْ كَمُلَ فِي شَرَفِهِ، وَالْعَظِيمُ الَّذِي قَدْ كَمُلَ فِي عَظَمَتِهِ، وَالْحَلِيمُ الَّذِي قَدْ كَمُلَ فِي حِلْمِهِ، ... وَالْعَلِيمُ الَّذِي قَدْ كَمُلَ فِي عِلْمِهِ، وَالْحَكِيمُ الَّذِي قَدْ كَمُلَ فِي حِكْمَتِهِ، وَهُوَ الَّذِي قَدْ كَمُلَ فِي أَنْوَاعِ شَرَفِهِ وَسُؤْدَدِهِ، وَهُوَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ. وَهَذِهِ صِفَتُهُ لَا تَنْبَغِي إِلا لَهُ، لَيْسَ لَهُ كُفُوٌ، وليس كمثله شيء“۔

صمد وہ سردار ہے جو اپنی سرداری میں کمال پر فائز ہو، اور وہ شریف و بلند رتبہ ہے جو

اپنی شرافت وبلندی میں باکمال ہو، اور وہ عظیم ہے جو اپنی عظمت میں باکمال ہو، اور وہ حلیم وبردبار ہے جو اپنی بردباری میں باکمال ہو، اور وہ علم والا ہے جو اپنے علم میں باکمال ہو، اور وہ حکیم ہے جو اپنی حکمت ودانائی میں باکمال ہو، خلاصۂ کلام اینکہ صمد وہ ہے جو شرف وسرداری کی تمام قسموں میں درجۂ کمال پر فائز ہو، اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اور یہ اللہ کی ایسی صفت ہے جو صرف اُسی کے لائق ہے، اُس کا کوئی ہمسر نہیں اور اس کے مثل کوئی چیز نہیں، اللہ واحد قہار کی ذات پاک ہے۔ (یہ الفاظ ابن ابی حاتم کے ہیں)۔

یہ اہم نکتہ اسمائے حسنیٰ کی تفسیر پر گفتگو کرنے والے بہت سے لوگوں سے اوجھل رہ گیا، چنانچہ انہوں نے حقیقی وسیع معنیٰ کے بغیر محض نام کی تفسیر کیا، اور غیر شعوری طور پر اُس میں نقص پیدا کر دیا، لہٰذا جو اس کی گہری معلومات نہ رکھے گا اسم اعظم کا حق غصب کر لے گا اور اس کے معنیٰ کو ضائع کر دے گا، اس لئے اسے اچھی طرح سمجھ لو[1]۔

(۱) بدائع الفوائد، از امام القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۶۸، ایڈیشن مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، قدرے تصرف کے ساتھ۔

دسواں مبحث: اللہ کے وہ اسماء حسنیٰ جو تمام اسماء وصفات کا مرجع ہیں

امام ابن القیم رحمہ اللہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

جان لینا چاہیئے کہ یہ سورت پوری طرح بلندترین مقاصد کی بنیادوں پر مشتمل ہے، اور انہیں خوب اچھی طرح سموئے ہوئے ہے، چنانچہ یہ سورت اُن تین اسماء کے ذریعہ معبود حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف پر مشتمل ہے جو تمام تر اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کا مرجع ومحور اور مدار ہیں: اور وہ: اللہ، رب اور رحمٰن ہیں۔

اور اس سورت کی بنیاد الوہیت، ربوبیت اور رحمت پر ہے، چنانچہ فرمان باری ﴿إِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) الوہیت پر مبنی ہے اور ﴿وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ﴾ (اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں) ربوبیت پر اور صراط مستقیم کی رہنمائی صفت رحمت سے ہے۔ اور حمد الوہیت، ربوبیت اور رحمت تینوں امور کو شامل ہے: چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت، ربوبیت اور رحمت تینوں صفات میں محمود اور قابل تعریف ہے، اور مجد وثنا اللہ کی مالداری کا کمال ہیں۔۔۔اسی طرح یہ سورت (الفاتحہ) کئی ناحیوں سے نبوتوں کے اثبات کو بھی شامل ہے:

۱۔ چونکہ اللہ ﴿رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ﴾ (سارے جہانوں کا رب) ہے اس لئے

اسے زیب نہیں دیتا کہ اپنے بندوں کو یونہی بے مقصد چھوڑ دے جو چیزیں ان کے لئے دنیوی واخروی زندگی میں نفع بخش ہیں اور جو چیزیں دنیا وآخرت میں نقصان دہ ہیں' اُنہیں اُن کی شناخت نہ کرائے، کیونکہ یہ اللہ کی ربوبیت کی تنقیص ہے، اور رب کو اس چیز کی طرف منسوب کرنا ہے جو اُس کے شایان شان نہیں، اور جو اسے اللہ کی طرف منسوب کرے وہ اللہ کی کما حقہ قدر کرنے والا نہیں۔

۲۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام ''اللہ'' سے جس کے معنیٰ مالوہ یعنی معبود کے ہیں، اور بندوں کے پاس اللہ کی عبادت کی معرفت کا راستہ اللہ کے رسولوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

۳۔ اللہ کے نام ''الرحمن'' سے، کیونکہ اللہ کی رحمت اس بات سے مانع ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ لاپروائی برتے، اور انہیں ان باتوں کی معرفت بہم نہ پہنچائے جس کے ذریعہ وہ انتہائے کمال کی رسائی کرسکیں۔ لہٰذا جو ''الرحمن'' نام کو اس کا حق دے گا خوب جان لے گا کہ یہ نام بارش اتارنے، گھاس اگانے اور دانے نکالنے سے کہیں زیادہ رسولوں کو بھیجنے اور کتابوں کو اتارنے کو متضمن (شامل) ہے، کیونکہ جن چیزوں سے قلوب و ارواح کو زندگی ملتی ہے انہیں ان چیزوں کی بہ نسبت رحمت کی زیادہ ضرورت ہوا کرتی ہے جن سے جسموں اور اشخاص کو زندگی ملتی ہے، لیکن جن کی عقلوں پر پردہ پڑا ہے انہوں نے اس نام سے محض چوپایوں اور مویشیوں کا حصہ سمجھا، جبکہ عقلمندوں نے اس کے پیچھے کچھ اور ہی معاملہ سمجھا۔ (۱)۔

اور سورۃ الفاتحہ توحید کی تینوں قسموں کو شامل ہے جن پر تمام رسل علیہم الصلاۃ والسلام متفق

(۱) مدارج السالکین، ۱/ ۸، اور اس کے بعد علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے سورۃ الفاتحہ کے نبوتوں کو متضمن ہونے کے کئی پہلو ذکر فرمائے ہیں، لیکن میں صرف اسماء حسنیٰ کے خاص پہلو پر اکتفا کروں گا۔

ہیں، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ توحید علمی: اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق خبر ومعرفت سے ہے، اسے ’’توحید اسماء وصفات‘‘ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ توحید قصدی ارادی: اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق قصد وارادہ سے ہے، اور اس دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں: توحید ربوبیت اور توحید الوہیت، اس طرح کل تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

توحید علمی (توحید اسماء وصفات) کا دارومدار صفات کمال کے اثبات، تشبیہ ومثال کی نفی اور اللہ تعالی کو عیوب ونقائص سے منزہ اور پاک کرنے پر ہے، اور اس پر دو چیزیں دلالت کرتی ہیں:

الف: مجمل۔

ب: مفصل۔

الف: مجمل یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے حمد ثابت کرنا۔

ب: مفصل یعنی صفت ’’الوہیت، ربوبیت، رحمت اور ملکیت وبادشاہت‘‘ کا ذکر، اور اسماء وصفات کا دارومدار انہی چاروں پر ہے۔

حمد ان صفات کو اس طور پر شامل ہے کہ محمود کی مدح وستائش اُس سے محبت، رضامندی اور اس کی تابعداری کے ساتھ اس کے صفات کمال اور اوصاف جمال کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چنانچہ محمود کی صفات کا انکار کرنے والا اسی طرح اس کی محبت اور تابعداری سے اعراض کرنے والا اس کی حمد کرنے والا نہیں ہوسکتا، اور محمود کی صفات جس قدر زیادہ ہوں گی اس کی حمد اتنی ہی کامل تر ہوگی اور اس کے صفات کمال جتنے ہی کم ہوں گے اس کی حمد میں

اسی قدر کمی واقع ہوگی۔

اسی لئے تمام تعریفیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ہیں' بایں طور کہ انہیں اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا' کیونکہ اللہ کے صفات کامل اور بہت زیادہ ہیں؛ اور اسی بنیاد پر اللہ کی مخلوقات میں کوئی اللہ کی حمد وثنا کا شمار واحاطہ نہیں کرسکتا، کیونکہ ذات باری تعالیٰ ایسے صفات کمال اور اوصاف جمال کی مالک ہے جن کا شمار اُس کے سوا کے لئے ممکن نہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَبِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ''(۱)۔

اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی، تیری سزا اور گرفت سے تیری معافی کی، اور تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیری تمام حمد وثنا کرنا میرے بس میں نہیں، تو ویسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

یہ توحید اسماء وصفات پر دلالت ہے۔

اب رہا مسئلہ ان پانچوں ناموں یعنی ''اللہ، الرب، الرحمٰن، الرحیم اور الملک'' کے اللہ کے اسماء وصفات پر دلالت کرنے کا، تو وہ دو اصولوں پر موقوف ہے:

اصل اول: رب سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء اس کے صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ وہ صفات سے مشتق ہیں۔ چنانچہ وہ اسماء بھی ہیں اور اوصاف بھی، اور اسی لئے وہ حسنیٰ ہیں' ورنہ اگر وہ محض الفاظ ہوتے ان میں کوئی معنیٰ نہ ہوتا تو وہ حسنیٰ نہ ہوتے' نہ ہی مدح وستائش اور

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، حدیث (۴۸۶)۔

کمال پر دلالت کرتے، نیز غضب وانتقام والے ناموں کا رحمت واحسان کی جگہ استعمال کرنا، اور اسی طرح اس کے برعکس (یعنی رحمت واحسان والے ناموں کا غضب وانتقام کی جگہ استعمال) بھی، جائز ہوتا، مثلاً کہا جاسکتا: اے اللہ! میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا ہے، لہٰذا مجھے بخش دے کیونکہ تو ہی انتقام لینے والا ہے۔ اور اے اللہ! مجھے عطا فرما کیونکہ تو ہی نقصان پہنچانے والا روکنے والا ہے! اور اس جیسی دیگر مثالیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ظالموں کی بات سے بہت بلند و بالا ہے۔

اور اسماء حسنیٰ کے معانی کی نفی کرنا اللہ کے ناموں میں ایک بہت بڑا الحاد ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ ﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

اور اس لئے بھی کہ اگر یہ اسماء معانی اور صفات پر دلالت نہ کرتے تو ان کے بارے میں ان کے مصادر کے ساتھ بتانا اور اللہ کو ان سے متصف کیا جانا جائز نہ ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ ﴾ [الذاریات:۵۸]۔

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ ''القوی'' اللہ کے ناموں میں سے ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوت کی صفت سے متصف ہے۔ اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿ فَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ ﴾ [فاطر:۱۰]۔

تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے۔

چنانچہ عزیز وہی ہوتا ہے جس کے پاس عزت ہو، لہٰذا اگر اللہ کے لئے قوت اور عزت کا ثبوت نہ ہوتا تو اس کا نام قوی ہوتا نہ عزیز، اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ﴾ [النساء:۱۶۶]۔

اسے اپنے علم سے اتارا ہے۔۔۔۔

اور مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی زندگی، یا اس کی سماعت، یا بصارت، یا قوت، یا عزت، یا عظمت کی قسم کھائے تو اس کی قسم منعقد ہوگی اور پوری نہ کرنے صورت میں اس کا کفارہ دینا ہوگا؛ کیونکہ یہ اللہ کے صفات کمال ہیں' جن سے اللہ کے نام مشتق کئے گئے ہیں۔

نیز اس لئے کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء معانی اور صفات پر مشتمل نہ ہوتے تو اللہ کے بارے میں ان صفات کے افعال (کاموں) کی خبر دینا بھی جائز نہ ہوتا۔ یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے، جانتا ہے، قدرت رکھتا ہے، اور ارادہ کرتا ہے وغیرہ؛ کیونکہ صفات کے احکام کا ثبوت صفات کے ثبوت ہی کی فرع (حصہ) ہے، جب اصل صفت ہی کی نفی ہوجائے گی تو اس کے حکم کا ثابت ہونا محال ہوگا۔۔۔ لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء کے معانی کی نفی کرنا' اللہ کے ناموں میں سب سے بڑا الحاد ہے، اور اللہ کے اسماء میں الحاد کی کئی قسمیں ہیں' یہ ان میں سے ایک ہے۔

اصل دوم: اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی بھی نام جیسے ذات اور صفت پر بطور مطابقت دلالت کرتا ہے جس سے وہ نام نکالا گیا ہے؛ ویسے ہی دو دوسری دلالتیں بطور تضمن اور التزام بھی کرتا ہے۔

چنانچہ وہ نام صرف صفت پر اور اسی طرح صفت سے خالی صرف ذات پر بطور تضمن دلالت کرتا ہے، اور دوسری صفت پر بطور التزام دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ کا نام "السمیع" (سننے والا) ذات باری تعالیٰ اور اس کی سماعت پر بطور مطابقت دلالت کرتا ہے۔ اور صرف ذات اور صرف صفت سماعت پر بطور تضمن دلالت کرتا ہے، اور اللہ کے نام "الحی" (زندہ) اور صفت زندگی پر بطور التزام دلالت کرتا ہے، یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے دیگر تمام اسماء وصفات کا ہے، لیکن دلالت التزام ہونے اور نہ ہونے کی معرفت کے سلسلہ میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔۔۔

اب جب یہ دونوں اصول ثابت ہو گئے تو اللہ کا ذاتی نام "اللہ" تینوں دلالتوں 'مطابقت، تضمن اور التزام' کی روشنی میں اللہ کے تمام اسماء حسنیٰ وصفات علیا پر دلالت کرتا ہے۔

اس لئے کہ یہ نام اللہ کی الوہیت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ کے صفات الوہیت کے ثبوت کو -اُن کے خلاف امور کی نفی کے ساتھ- شامل ہے۔ اور الوہیت کے صفات -یعنی اللہ تعالی ہی تنہا معبود حقیقی ہے اس کا کوئی شریک نہیں- وہ صفات کمال ہیں جو اللہ تعالی کو تشبیہ وتمثیل اور تمام ترعیوب ونقائص سے منزہ اور پاک کرتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ تمام اسماء حسنی کو اسی عظیم نام کی طرف منسوب کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ ﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔

اور یہ کہا جائے گا کہ: "الرحمٰن، الرحیم، القدوس، السلام، العزیز، الحکیم وغیرہ" اللہ کے ناموں میں سے ہیں، یہ نہیں کہا جائے گا کہ: اللہ الرحمٰن کے ناموں میں سے ہے، نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ العزیز کے ناموں میں سے ہے، وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ اللہ کا نام ''اللہ'' اسماء حسنیٰ کے تمام معانی کو لازم ہے، اور اجمالی طور پر ان تمام معانی پر دلالت کرتا ہے، اور تمام اسماء حسنیٰ اُن الٰہی صفات کی تفصیل و وضاحت اور بیان ہیں جن سے ''اللہ'' نام کو مشتق کیا گیا ہے، اور ''اللہ'' کا نام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ معبود اور مستحق عبادت ہے، تمام مخلوقات' محبت ، تعظیم، عاجزی اور حاجات وضروریات میں اس کی طرف گھبراتے ہوئے' اسی کی عبادت کرتے ہیں، اور یہ چیز اللہ کی کمال ربوبیت ورحمت کو مستلزم ہے جو دونوں اللہ کی کمال بادشاہت اور حمد وثنا کو شامل ہیں۔ اور اس کی الوہیت ، ربوبیت، رحمانیت اور بادشاہت اُس کے تمام صفات کمال کو لازم ہیں۔ کیونکہ جو زندہ نہ ہو، سننے والا نہ ہو، دیکھنے والا نہ ہو، قدرت والا نہ ہو، بولنے والا نہ ہو، جو چاہے کر گزرنے والا نہ ہو اور اپنے کاموں میں حکیم و دانا نہ ہو' اس کے لئے اس چیز کا ثبوت ہی محال ہے۔

اور جلال و جمال کے اوصاف نام ''اللہ'' کے ساتھ خاص ہیں۔

اور فعل، قدرت، نفع ونقصان، اور دینے نہ دینے کی تنہا ملکیت، مشیت کی تنفیذ، کمال قوت اور مخلوقات کے معاملہ کی تدبیر نام ''الرب'' کے ساتھ ہیں۔

اور کرم، سخاوت، بھلائی، شفقت، احسان، رحمت، اور لطف کے اوصاف نام ''الرحمٰن'' کے ساتھ خاص ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے صفت (رحمت) کے ثبوت اور اس کے اثر کے حصول اور متعلقہ امور سے اس کا تعلق بتلانے کے لئے رحمت کو مکرر ذکر فرمایا۔ چنانچہ ''الرحمٰن'' وہ ہے جس کی صفت رحمت ہو، اور ''الرحیم'' یعنی اپنے بندوں پر رحم کرنے والا؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكَانَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾ ﴾ [الاحزاب: ۴۳]۔

اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔

یہ نہیں آیا کہ اللہ اپنے بندوں پر رحمان ہے، نہ ہی یہ کہ مومنوں پر رحمان ہے، باوجود یکہ نام ''الرحمٰن'' بروزن فعلان میں اس صفت رحمت کی وسعت اور موصوف میں اس کے بھرپور معنیٰ کا ثبوت ہے۔۔۔کیونکہ فعلان کا وزن کشادگی اور شمول کے لئے آتا ہے۔اسی لئے اللہ کے مستویٰ عرش ہونے کو زیادہ تر اسی نام کے ساتھ جوڑا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ۝٥﴾[طٰہٰ:۵]۔

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

کیونکہ عرش تمام مخلوقات کو محیط اور سموئے ہوئے ہے، اور اللہ کی رحمت بھی مخلوقات کو محیط اور شامل ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٖ﴾[الاعراف:۱۵۶]۔

اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔

اور صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ، كَتَبَ فِي كِتَابِهِ عَلَى نَفْسِهِ، فَهُوَ مَوْضُوعٌ عِنْدَهُ عَلَى العَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي**''۔

وفي لفظ: ''**فَهُوَ عِنْدَهُ عَلَى العَرْشِ**''[۱]۔

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کا فیصلہ فرمایا تو ایک کتاب میں اپنی ذات پر لکھا جو اس

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِي يَبۡدَؤُاْ ٱلۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ وَهُوَ أَهۡوَنُ عَلَيۡهِ﴾ [الروم:۲۷]۔، حدیث (۳۱۹۴)، وصحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وأنہا سبقت غضبہ، حدیث (۲۷۵۱)۔

کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے: کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

اور ایک روایت میں ہے: کہ وہ کتاب اللہ کے پاس عرش پر ہے۔

رحمت کے ذکر کے ساتھ اس کتاب کی خصوصیت اور اس کے اپنے پاس عرش پر رکھنے پر ذرا غور کریں، اور اُسے فرمان باری تعالیٰ:

﴿ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ۝٥﴾ [طٰہ:۵]۔

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

اور اسی طرح:

﴿ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِۖ ٱلرَّحۡمَٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهِۦ خَبِيرٗا ۝٥٩﴾ [الفرقان:۵۹]۔

پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رحمٰن ہے، آپ اس کے بارے میں کسی خبر دار سے پوچھ لیں۔

کے ساتھ ملا کر دیکھیں، آپ کے سامنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت کا بڑا عظیم دروازہ کھلے گا' بشرطیکہ تعطیل وتجہیم نے آپ کے لئے اُسے بند نہ کر رکھا ہو۔

اور عدل وانصاف، پھیلانے وسمیٹنے، پست وبلند کرنے، دینے نہ دینے، عزت وذلت دینے، اور قہر وفیصلہ وغیرہ صفات نام ''الملک'' کے ساتھ خاص ہیں، اور اللہ نے اسے فیصلہ (قیامت) کے دن کے ساتھ خاص کیا ہے' یعنی عدل وانصاف کے مطابق بدلہ کا دن؛ کیونکہ اس دن حکم وفیصلہ کا مالک تنہا اللہ ہی ہوگا، اور اس لئے بھی کہ وہ حقیقی دن ہوگا' اس سے پہلے کا عرصہ ایک گھڑی کی مانند ہوگا؛ نیز اس لئے بھی کہ مطلوب ومقصود دن وہی ہوگا' دنیا کے دن محض اس دن تک پہنچنے کے مراحل ہیں۔

اور فرمان باری:

﴿ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝٢ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ۝٣ مَٰلِكِ يَوۡمِ ٱلدِّينِ ۝٤﴾ [الفاتحہ:۱-۳]۔

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے۔

میں ان ناموں کو حمد کے بعد ذکر کرنے اور حمد کو ان ناموں کے مضمون ومقصود پر استعمال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی الوہیت میں بھی لائق تعریف ہے، اپنی ربوبیت میں بھی لائق تعریف ہے، اپنی رحمانیت میں بھی لائق تعریف ہے اور اپنی بادشاہت میں بھی لائق تعریف ہے، اور وہ حمد شدہ معبود ہے، حمد شدہ رب ہے، اور حمد شدہ بادشاہ ہے، خلاصہ اینکہ ہر قسم کا کمال اللہ ہی کے لئے ہے:

علیحدہ ایک نام کا کمال، علیحدہ دوسرے نام کا کمال اور دونوں ناموں کے باہم ملنے کا کمال، اس کی مثال اللہ عزوجل کے یہ فرامین ہیں:

﴿وَٱللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝٦﴾ [التغابن:٦]۔

اور اللہ تو ہے ہی بہت بے نیاز سب خوبیوں والا۔

﴿وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٢٦﴾ [النساء:٢٦]۔

اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿وَٱللَّهُ قَدِيرٌۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧﴾ [الممتحنہ:٧]۔

اللہ کو سب قدرتیں ہیں اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔

چنانچہ ''بے نیازی'' صفت کمال ہے اور ''حمد'' صفت کمال ہے، اور اللہ کی بے نیازی کا

حمد کے ساتھ یکجا ہونا بھی کمال ہے، ایسے اللہ کا علم کمال ہے، اور حکمت کمال ہے اور علم کا حکمت کے ساتھ یکجا ہونا بھی کمال ہے۔

اسی طرح اللہ کی قدرت کمال ہے، اور اس کی مغفرت بھی کمال ہے، اور قدرت و مغفرت کا یکجا ہونا بھی کمال ہے۔ اسی طرح قدرت کے بعد معافی بھی کمال ہے۔ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾﴾ [النساء:۴۳]۔

بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

کیونکہ ہر قدرت والا معاف نہیں کرتا' نہ ہر معاف کرنے والا قدرت ہوتے ہوئے معاف کرتا ہے، نہ ہر جاننے والا حلیم و بردبار ہوتا ہے، اور نہ ہر حلیم و بردبار علم والا ہوتا ہے، لہٰذا حلم وعلم، معافی وقدرت، بادشاہت وحمد وثنا، اور عزت ورحمت سے زیادہ خوبصورت کسی دو وصف کو باہم یکجا نہیں کیا گیا، ارشاد باری ہے:

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾﴾ [الشعراء:۱۹۱]۔

بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

اور اس میں نہایت واضح دلیل ہے کہ رب سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء کچھ اوصاف ومعانی سے مشتق ہیں جو اس سے وابستہ ہیں، اور ہر نام کے ساتھ اللہ کا جو بھی فعل یا حکم مذکور ہے یا اس کے ساتھ ملایا گیا ہے وہ اس کے مناسب ہے، اور اللہ ہی درستی کا توفیق دہندہ ہے[۱]۔

سائل جب "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں) کہتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ: میں اس اللہ کے اسماء وصفات کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جس کے اچھے اچھے نام ہیں اور بلند و برتر خوبیاں ہیں۔ چنانچہ "اللہ" کے اخیر میں "میم" لگاتا ہے جس

(۱) مدارج السالکین، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۲۴-۲۷، بتصرف۔

سے جمع کا پتہ چلتا ہے یہ بتلانے کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے تمام اسماء کے وسیلہ سے دعا کر رہا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا:

''مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ، فَقَالَ: اللهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، ابْنُ عَبْدِكَ، ابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ: أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجِلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا''، قَالَ: فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا نَتَعَلَّمُهَا؟ فَقَالَ: ''بَلَى، يَنْبَغِي لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَتَعَلَّمَهَا''[1]۔

جب کسی بندہ کو کوئی فکر یا رنج وغم لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھ لے: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری باندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے سلسلہ میں تیرا فیصلہ طے ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ مبنی بر عدل ہے، میں تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو تیرا ہے، جو تو نے اپنا نام رکھا ہے، یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا تو نے اپنے علم غیب میں اسے چھپا رکھا ہے، کہ تو قرآن کریم کو

(۱) مسند احمد، ۱/۳۹۱، ومسند ابو یعلی ،۹/ ۱۹۸-۱۹۹، حدیث (۵۲۹۷)، ومستدرک حاکم، ۱/ ۵۰۹-۵۱۰، وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، حدیث (۳۳۹، ۳۴۰)، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ (۱/ ۳۳۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔

میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور بنا دے، اور میرے غم کا مداوا اور میرے رنج وملال کو ختم کرنے والا بنا دے'' تو اللہ تعالیٰ اس کا رنج وغم ٹال دے گا اور اسے فرحت ومسرت سے بدل دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، یہ دعا جو بھی سنے اسے یاد کر لینا چاہیئے۔

لٰہذا دعا کرنے والے کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے وسیلہ سے دعا کرے، جیسا کہ اسم اعظم میں ہے:

''**اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ**''[1]۔

اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، تیرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تو احسان فرمانے والا، آسمانوں اور زمین کو از سر نو وجود بخشنے والا ہے، اے جلال وعظمت اور کرم والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے تھامنے والے۔

اور دعا کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء وصفات کے وسیلہ سے مانگیں۔

۲۔ آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی محتاجگی، فقیری اور انکساری کے ذریعہ مانگیں، اور کہیں: میں

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث (۱۴۹۵)، وجامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۹۹، حدیث (۳۵۴۴)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اسم اللہ الاعظم، حدیث (۳۸۵۸)، وسنن النسائی، کتاب السھو، باب الدعاء بعد الذکر، حدیث (۱۲۹۸)، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح سنن ابو داود (حدیث ۱۴۹۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

فقیر مسکین ذلیل پناہ کا طلبگار بندہ ہوں، وغیرہ۔

۳۔آپ اپنی حاجت کا سوال کریں، مذکورہ دونوں باتوں میں سے کچھ بھی ذکر نہ کریں، تو پہلی قسم دوسری سے کامل تر ہے اور دوسی قسم تیسری سے کامل تر ہے، اور اگر دعا میں تینوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں تو سب سے بہتر ہے، اور نبی کریم ﷺ کی دعائیں عموماً ایسی ہی ہوا کرتی تھیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو دعا سکھلائی اس میں مذکورہ تینوں قسمیں موجود ہیں:

۱۔ آپ نے شروع میں فرمایا:

"اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا"[1]۔

اے اللہ! میں نے خود پر بہت ظلم کیا ہے۔

یہ دعا کرنے والے کی حالت ہے۔

۲۔ پھر فرمایا:

"وَلاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ"۔

اور تیرے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کرسکتا۔

یہ مسئول (جس سے دعا کی جا رہی ہے، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کی حالت ہے۔

۳۔ پھر فرمایا: "فَاغْفِرْ لِي" لہٰذا میری مغفرت فرما۔

یعنی اپنی حاجت کا ذکر کیا، اور دعا کو اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے دو ناموں کے ذریعہ ختم

(۱) صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الدعاء قبل السلام، حدیث (۸۳۴)، وصحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، حدیث (۲۷۰۵)۔

کیا جومقصود کے مناسب اور اس کے تقاضہ کے مطابق ہیں، پھر امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول جو ہم نے اختیار کیا ہے سلف میں کئی لوگوں سے آیا ہے:

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللھم'' دعاء کا سنگم ہے۔

اور ابو رجاء عطاردی فرماتے ہیں: ''اللھم'' کی میم میں اللہ کے ناموں میں سے ننیانوے نام ہیں۔

اور نضر بن شمیل فرماتے ہیں: جس نے ''اللھم'' کہا اس نے اللہ کے تمام اسماء کے وسیلہ سے دعا کیا[1]۔

---

(۱) التفسیر القیم، از امام ابن القیم رحمہ اللہ ص ۲۱۰-۲۱۱، بہت معمولی تصرف کے ساتھ۔

گیارہواں مبحث:

اللہ کے اسماء وصفات اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں، ناموں کی یکسانیت اشخاص میں مماثلت کی موجب نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے خود کو کئی ناموں سے موسوم کیا ہے، اور اپنی صفات کو بھی کئی نام دیا ہے، چنانچہ جب یہ نام اللہ کی طرف منسوب ہیں تو وہ اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں، ان میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا، اور اپنی بعض مخلوقات کو بھی کچھ نام دیئے ہیں جو انہی کے ساتھ خاص اور انہی کی طرف منسوب ہیں، لیکن اگر انہیں اضافت وتخصیص سے علیحدہ کر دیا جائے تو اللہ کے ناموں کے موافق ہو جائیں گے، لیکن دو ناموں کے موافق ہونے سے ان کے مسمیٰ (شخص) کا اطلاق اور اضافت وتخصیص سے علیحدگی کی صورت میں ہم مثل اور ایک ہونا لازم نہیں آتا، نہ ہی ان دونوں کا متفق ہونا، اور نہ ہی اضافت وتخصیص کی صورت ہی میں مسمیٰ کا ہم مثل ہونا لازم آتا ہے، چہ جائیکہ اضافت وتخصیص کی صورت میں ان دونوں کا مسمیٰ ایک ہو"۔

چنانچہ اللہ نے اپنے آپ کو ''حی'' (زندہ) کے نام سے موسوم کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَيُّ ٱلۡقَيُّومُ ﴾ [البقرۃ:۲۵۵]۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی زندہ کا نام دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ يُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ ٱلۡمَيِّتَ مِنَ ٱلۡحَيِّ ﴾ [الروم:۱۹]۔

(وہی) زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔

لیکن یہ زندہ اُس زندہ کے مثل نہیں ہے؛ کیونکہ پہلی آیت میں ''الحی'' اللہ کا نام ہے' اُسی کے ساتھ خاص ہے، اور ﴿ يُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ ﴾ میں ''الحی'' مخلوق کا نام ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے، اور دونوں اس وقت متفق ہوں گے جب انہیں تخصیص سے علیحدہ کر کے مطلق استعمال کیا جائے، لیکن مطلق کا خارج میں کوئی مسمیٰ (شخص) موجود نہیں ہے' مگر مطلق سے عقل دونوں نام والوں (شخصوں) کے درمیان قدر مشترک سمجھتی ہے، اور خاص کر دینے کی صورت میں اس کی تقیید ہو جاتی ہے جس سے خالق سے مخلوق اور مخلوق سے خالق ممتاز ہو جاتا ہے۔

اور یہ اللہ کے تمام اسماء وصفات میں ضروری ہے، اس سے سمجھ میں آئے گا کہ ان میں سے کون سا نام اتفاق کی صورت میں کس چیز پر دلالت کرتا ہے اور اضافت وتخصیص کی صورت میں کس چیز پر دلالت کرتا ہے' جو مخلوق کو خالق سبحانہ وتعالیٰ کی کسی بھی خصوصیت میں شریک ہونے سے روکتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علیم حلیم کے نام سے موسوم کیا، اور اپنے کسی بندہ کو بھی

علیم کا نام دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَٰمٍ عَلِيمٍ ۝٢٨ ﴾ [الذاريات: ٢٨]۔

اور انہوں نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔

یعنی اسحاق علیہ السلام، اور دوسرے بندے کو حلیم کا نام دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ فَبَشَّرْنَٰهُ بِغُلَٰمٍ حَلِيمٍ ۝١٠١ ﴾ [الصافات: ١٠١]۔

تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔

یعنی اسماعیل علیہ السلام، لیکن یہ علیم اس علیم کی طرح ہے نہ یہ حلیم اس حلیم کی طرح۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کو سمیع بصیر کا نام دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ ۞ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا۟ بِٱلْعَدْلِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ۝٥٨ ﴾ [النساء: ٥٨]۔

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ! اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو! یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔

اور اپنی بعض مخلوق کو بھی سمیع بصیر کہا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّا خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ۝٢ ﴾ [الانسان: ٢]۔

بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے امتحان کے لیے پیدا کیا اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔

لیکن یہ سمیع اُس سمیع کی طرح ہے نہ یہ بصیر اُس بصیر کی طرح۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو رؤوف رحیم کہا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ بِٱلنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ١٤٣﴾ [البقرة: ١٤٣]۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی رؤوف رحیم کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ١٢٨﴾ [التوبة: ١٢٨]۔

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

لیکن یہ رؤوف اُس رؤوف کی طرح ہے نہ یہ رحیم اُس رحیم کی طرح۔

ایسے ہی اللہ نے اپنے آپ کو ملک کہا جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ﴾ [الحشر: ٢٣]۔

بادشاہ، نہایت پاک۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی ملک کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ٧٩﴾ [الكهف: ٧٩]۔

ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦۖ﴾ [يوسف:۵۰]۔

اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لاؤ۔

لیکن یہ ملک اُس ملک کی طرح نہیں۔

ایسے ہی اپنے آپ کو مومن کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ٱلۡمُؤۡمِنُ ٱلۡمُهَيۡمِنُ﴾ [الحشر:۲۳]۔

امن دینے والا، نگہبان۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی مومن کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿أَفَمَن كَانَ مُؤۡمِنٗا كَمَن كَانَ فَاسِقٗاۚ لَّا يَسۡتَوُۥنَ ١٨﴾ [السجدة:۱۸]۔

کیا وہ جو مومن ہو مثل اس کے ہے جو فاسق ہو؟ یہ برابر نہیں ہو سکتے۔

لیکن یہ مومن اُس مومن کی طرح نہیں۔

ایسے ہی اپنے آپ کو عزیز کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡجَبَّارُ ٱلۡمُتَكَبِّرُۚ﴾ [الحشر:۲۳]۔

غالب، زورآور، اور بڑائی والا۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی عزیز کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿قَالَتِ ٱمۡرَأَتُ ٱلۡعَزِيزِ﴾ [يوسف:۵۱]۔

تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی۔

لیکن یہ عزیز اُس عزیز کی طرح نہیں۔

ایسے ہی اپنے آپ کو جبار متکبر کہا، اور اپنے بعض مخلوق کو بھی جبار متکبر کہا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾ ﴾ [غافر:٣٥]۔

اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔

لیکن یہ جبار اُس جبار کی طرح ہے نہ یہ متکبر اس متکبر کی طرح۔

اور اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفتوں کو ناموں سے موسوم کیا، اور اسی طرح اپنے بعض بندوں کی صفتوں کو بھی نام دیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ [البقرة:٢٥٥]۔

اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

﴿ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ﴾ [النساء:١٦٦]۔

اسے اپنے علم سے اتارا ہے۔

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ ﴾ [الذاريات:٥٨]۔

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔

اور فرمایا:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا۟ أَنَّ ٱللَّهَ ٱلَّذِى خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ﴿١٥﴾ ﴾ [فصلت:١٥]۔

کیا انہیں یہ نظر نہ آیا کہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے (بہت ہی) زیادہ زور آور ہے۔

اسی طرح مخلوق کی صفت کو علم وقوت کا نام دیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلۡعِلۡمِ إِلَّا قَلِيلٗا ٨٥﴾ [الاسراء:۸۵]۔

اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

نیز فرمایا:

﴿وَفَوۡقَ كُلِّ ذِي عِلۡمٍ عَلِيمٞ ٧٦﴾ [یوسف:۷۶]۔

ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَرِحُواْ بِمَا عِندَهُم مِّنَ ٱلۡعِلۡمِ﴾ [غافر:۸۳]۔

یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿۞ٱللَّهُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعۡفٖ ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعۡدِ ضَعۡفٖ قُوَّةٗ ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعۡدِ قُوَّةٖ ضَعۡفٗا وَشَيۡبَةٗۚ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُۚ وَهُوَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡقَدِيرُ ٥٤﴾ [الروم:۵۴]۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی، پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ سب سے پورا واقف اور سب پر پورا قادر ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَيَزِدۡكُمۡ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمۡ﴾ [هود:۵۲]۔

اور تمہاری طاقت پر اور طاقت قوت بڑھادے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَٰهَا بِأَيْيْدٍ ﴾ [الذاريات:۴۷]۔

آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے۔

یعنی قوت سے، نیز ارشاد ہے:

﴿ وَٱذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُۥدَ ذَا ٱلْأَيْدِ ﴾ [ص:۱۷]۔

اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کریں جو بڑی قوت والا تھا۔

یعنی قوت والا، لیکن یہ علم اُس علم کی طرح ہے نہ یہ قوت اس قوت کی طرح۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو مشیت (چاہت) سے موصوف کیا اور اپنے بندہ کو بھی مشیت سے متصف کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ۝٢٨ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٢٩ ﴾ [التكوير:۲۸-۲۹]۔

اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔ اور تم بغیر پروردگار عالم کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ۝٢٩ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝٣٠ ﴾ [الانسان:۲۹-۳۰]۔

یقیناً یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی راہ لے لے۔ اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے بیشک اللہ تعالیٰ علم والا باحکمت ہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو ارادہ کی صفت سے موصوف کیا اور اپنے بندہ کو بھی ارادہ سے متصف کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿تُرِيدُونَ عَرَضَ ٱلدُّنْيَا وَٱللَّهُ يُرِيدُ ٱلْءَاخِرَةَ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾﴾[الانفال:٦٧]۔

تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے اور اللہ زورآور باحکمت ہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو محبت سے موصوف کیا[اور اپنے بندہ کو بھی محبت سے متصف کیا] چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ﴾[المائدة:٥٤]۔

تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔

نیز فرمایا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ﴾[آل عمران:٣١]۔

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو رضامندی سے موصوف کیا اور اپنے بندہ کو بھی رضامندی سے متصف کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ﴾[المائدة:١١٩]۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں۔

جبکہ معلوم ہے کہ اللہ کی مشیت و چاہت بندے کی مشیت کے مثل ہے، نہ اس کا ارادہ بندے کے ارادے کے مثل ہے، نہ ہی اس کی محبت بندہ کی محبت کے مثل ہے اور نہ ہی اس کی رضامندی بندے کی رضامندی کے مثل ہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنی صفت بتائی ہے کہ وہ کافروں سے غضبناک ہوتا ہے، اور بندوں کو بھی مقت (غصہ) سے موصوف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ ٱللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى ٱلْإِيمَٰنِ فَتَكْفُرُونَ ۝١٠ ﴾ [غافر:١٠]۔

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں یہ آواز دی جائے گی کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم غصہ ہوتے تھے اپنے جی سے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر کفر کرنے لگتے تھے۔

لیکن یہ غصہ اُس غصہ جیسا نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو مکر اور چال سے متصف کیا ہے، اور اپنے بندے کو بھی اس سے متصف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ ٱللَّهُ ﴾ [الانفال:٣٠]۔

اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝١٥ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝١٦ ﴾ [الطارق: ١٥-١٦]۔

البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں۔ اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں۔

لیکن یہ مکر اُس مکر کی طرح ہے نہ یہ چال اس چال کی طرح۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو عمل سے متصف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا۟ أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَآ أَنْعَٰمًا فَهُمْ لَهَا مَٰلِكُونَ ﴿٧١﴾﴾ [یس: ۷۱]۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے (بھی) پیدا کر دیئے، جن کے یہ مالک ہو گئے ہیں۔

اور اپنے بندے کو بھی عمل سے متصف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾﴾ [السجدۃ: ۱۷]۔

جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے۔

لیکن یہ عمل اُس عمل جیسا نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو پکارنے اور سرگوشی کرنے کے وصف سے متصف کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَنَٰدَيْنَٰهُ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ ٱلْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾﴾ [مریم: ۵۲]۔

ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے ندا کی اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ﴾ [القصص: ٦٢]۔

اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں پکارے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَنَادَىٰهُمَا رَبُّهُمَآ ﴾ [الاعراف: ۲۲]۔

اور ان کے رب نے ان کو پکارا۔

اور اپنے بندے کو بھی پکارنے اور سرگوشی کرنے کی صفت سے متصف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ ﴾ [الحجرات: ۴]۔

جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِذَا نَـٰجَيْتُمُ ٱلرَّسُولَ ﴾ [المجادلة: ۱۲]۔

جب تم رسول ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِذَا تَنَـٰجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَـٰجَوْا۟ بِٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ﴾ [المجادلة: ۹]۔

تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم (زیادتی) کی نہ ہوں۔

لیکن یہ پکار اُس پکار کی طرح ہے نہ یہ سرگوشی اس سرگوشی کی طرح۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو کلام کی صفت سے متصف فرمایا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ ﴾ [النساء: ۱۶۴]۔

اور موسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَـٰتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ ﴾ [الأعراف: ۱۴۳]۔

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے

باتیں کیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ تِلْكَ ٱلرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ ٱللَّهُ ﴾ [البقرة:۲۵۳]۔

یہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے۔

اور اپنے بندے کو بھی صفت کلام سے متصف فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَقَالَ ٱلْمَلِكُ ٱئْتُونِى بِهِۦٓ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِى ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ قَالَ إِنَّكَ ٱلْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝٥٤ ﴾ [یوسف:۵۴]۔

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے خاص کاموں کے لئے مقرر کر لوں، پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے ذی عزت اور امانت دار ہیں۔

لیکن یہ کلام اُس کلام کی طرح نہیں ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو خبر دینے کی صفت سے متصف کیا [اور اپنی بعض مخلوق کو بھی خبر دینے کی صفت سے متصف کیا]، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَإِذْ أَسَرَّ ٱلنَّبِىُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَٰجِهِۦ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِۦ وَأَظْهَرَهُ ٱللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُۥ وَأَعْرَضَ عَنۢ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِۦ قَالَتْ مَنْ أَنۢبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِىَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْخَبِيرُ ۝٣ ﴾ [التحریم:۳]۔

اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی، پس جب اس

نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے، پھر جب نبی نے اپنی اس بیوی کو یہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی۔ کہا سب جاننے والے پوری خبر رکھنے والے اللہ نے مجھے یہ بتلایا ہے۔

لیکن یہ خبر دینا اُس خبر دینے کی طرح نہیں ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو تعلیم سے متصف کیا اور اپنے بندے کو بھی تعلیم سے متصف کیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ ٱلرَّحۡمَٰنُ ۝١ عَلَّمَ ٱلۡقُرۡءَانَ ۝٢ خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ ۝٣ عَلَّمَهُ ٱلۡبَيَانَ ۝٤ ﴾ [الرحمٰن: ۱-۴]۔

رحمٰن نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

نیز فرمایا:

﴿ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ ٱللَّهُ ﴾ [المائدۃ: ۴]۔

جنہیں تم تھوڑا بہت وہ سکھاتے ہو جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہے۔

اسی طرح فرمایا:

﴿ لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ بَعَثَ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]۔

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں

کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

لیکن یہ تعلیم اُس تعلیم کی طرح نہیں ہے۔

اسی طرح اپنے آپ کو غضب سے متصف کیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ وَلَعَنَهُمۡ ﴾[الفتح:٦]۔

اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی۔

اور اپنے بندے کو بھی غضب سے متصف کیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوۡمِهِۦ غَضۡبَٰنَ أَسِفٗا ﴾[الأعراف:١٥٠]۔

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے۔

لیکن یہ غضب اُس غضب کی طرح نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت یہ بتلائی ہے کہ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے، چنانچہ اپنی کتاب کی سات آیتوں میں[1] ذکر فرمایا کہ وہ عرش پر مستوی ہے، اور ایسے ہی اپنی بعض

---

(۱) یہ آیتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ﴿ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ﴾[الاعراف:۵۴]۔(پھر عرش پر مستوی ہوا)

۲۔ ﴿ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ﴾[یونس:۳۳]۔(پھر عرش پر مستوی ہوا)

۳۔ ﴿ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ﴾[الرعد:۲]۔(پھر عرش پر مستوی ہوا)

۴۔ ﴿ ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ۝٥ ﴾[طٰہ:۵]۔(رحمٰن عرش پر مستوی ہوا)

۵۔ ﴿ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِۖ ٱلرَّحۡمَٰنُ ﴾[الفرقان:۵۹]۔(پھر عرش پر مستوی ہوا، وہ رحمٰن ہے)

۶۔ ﴿ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ﴾[السجدہ:۴]۔(پھر عرش پر مستوی ہوا)

۷۔ ﴿ ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ﴾[الحدید:۴]۔(پھر عرش پر مستوی ہوا)

مخلوقات کو دوسری مخلوقات پر مستوی ہونے سے متصف کیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿لِتَسۡتَوُۥاْ عَلَىٰ ظُهُورِهِۦ﴾ [الزخرف: ۱۳]۔

تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا ٱسۡتَوَيۡتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى ٱلۡفُلۡكِ﴾ [المؤمنون: ۲۸]۔

جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر باطمینان بیٹھ جاؤ۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ﴾ [هود: ۴۴]۔

اور کشتی جودی نامی پہاڑ پر جا لگی۔

لیکن یہ مخلوقات کا استواء اللہ کے استواء کی طرح نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنے آپ کو دونوں ہاتھ پھیلانے سے متصف کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَقَالَتِ ٱلۡيَهُودُ يَدُ ٱللَّهِ مَغۡلُولَةٌۚ غُلَّتۡ أَيۡدِيهِمۡ وَلُعِنُواْ بِمَا قَالُواْۘ بَلۡ يَدَاهُ مَبۡسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُۚ﴾ [المائدة: ۶۴]۔

اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

ایسے ہی اپنی بعض مخلوق کو بھی ہاتھ پھیلانے سے متصف کیا، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ ٱلۡبَسۡطِ﴾ [الاسراء: ۲۹]۔

اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے۔

لیکن یہ ہاتھ اُس ہاتھ کی طرح ہے نہ یہ پھیلانا اس پھیلانے کی طرح، اور اگر پھیلانے کا معنیٰ عطا اور سخاوت وفیاضی ہو تو اللہ کا عطا اپنی مخلوق کی طرح ہے نہ اللہ کی سخاوت وفیاضی مخلوق کی سخاوت وفیاضی کی طرح۔ اور اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔

لہٰذا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے اُسے ثابت کرنا، اور ساتھ ہی اُس کی اپنی مخلوق سے مثلیت کی نفی کرنا ضروری ہے، چنانچہ جو یہ کہے کہ اللہ کے پاس نہ علم ہے، نہ قوت ہے، نہ رحمت ہے، نہ کلام ہے، نہ وہ محبت کرتا ہے، نہ راضی ہوتا ہے، نہ اس نے پکارا، نہ سرگوشی کی، اور نہ مستوی ہوا، وہ اللہ کے صفات کا انکار کرنے والا، ہٹ دھرم اور اللہ کو معدومات (غیر موجود چیزوں) اور جمادات (مٹی پتھر وغیرہ) کے مثل ٹھہرانے والا ہے۔

اور جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ کہے کہ اس کا علم میرے علم کی طرح ہے، اس کی طاقت میری طاقت کی طرح ہے، یا اس کی محبت میری محبت کی طرح ہے، یا اس کی رضامندی میری رضامندی کی طرح ہے، یا اس کے دونوں ہاتھ میرے ہاتھوں کی طرح ہیں، یا اس کا مستوی ہونا میرے مستوی ہونے کی طرح ہے، وغیرہ' وہ اللہ تعالیٰ کو حیوانات کے مشابہ اور مثل ٹھہرانے والا ہے، بلکہ مثلیت کے بغیر اللہ کے اسماء وصفات کو ثابت کرنا اور انکار کئے بغیر اللہ کو منزہ اور پاک کرنا ضروری ہے[1]۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ:

''اس قسم کے نام اور صفت کے تین اعتبارات ہیں:

پہلا اعتبار: یہ ہے کہ اس نام وصفت کو اللہ تبارک وتعالیٰ یا بندہ کی قید سے قطع نظر' محض

(۱) التدمریۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ص ۲۱-۳۰۔

بحیثیت ایک نام اور صفت دیکھا جائے۔

دوسرا اعتبار: یہ ہے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب اور اس کے ساتھ خاص کر کے دیکھا جائے۔

تیسرا اعتبار: یہ ہے کہ اسے بندہ کی طرف منسوب اور اس کے ساتھ مقید کر کے دیکھا جائے۔

چنانچہ جو چیز براہ راست نام اور اس کی حقیقت کو لازم ہوگی وہ رب اور بندے دونوں کے لئے ثابت کی جائے گی، رب کے لئے اس کے کمال کے شایان شان، اور بندہ کے لئے اس کی حیثیت کے مطابق۔ جیسے نام ''السمیع'' (سننے والا) باتوں کے ادراک کو لازم ہے، اور ''البصیر'' چیزوں کے دیدار کو مستلزم ہے، اسی طرح ''العلیم''، ''القدیر'' اور دیگر اسماء حسنیٰ؛ کیونکہ ناموں کے استعمال کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جسے ان سے متصف کیا گیا ہے اسے ان کے معانی اور حقائق حاصل ہوں، لہٰذا جو چیزیں ان ناموں کو براہ راست لازم ہوں اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ثابت کرنے میں سرے سے کوئی ممانعت نہیں: بلکہ اسے اللہ کے لئے اس طرح ثابت کیا جائے گا کہ وہ اپنی مخلوق کے ہم مثل ومشابہ نہ ہو، لہٰذا جو اس قسم کے نام کی 'بندہ کے لئے استعمال ہونے کے سبب' اللہ سے نفی کرے گا' وہ اللہ کے ناموں میں الحاد کرنے والا اور اس کے صفات کمال کا منکر ہوگا۔ اور جو اسے اللہ کے لئے اس طرح ثابت کرے گا جس سے وہ اپنی مخلوق کے مشابہ ہو' وہ اللہ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دینے والا ہوگا، اور جس نے اللہ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دیا اس نے کفر کیا، اور جو اُسے اللہ کے لئے اس طرح ثابت کرے گا کہ اللہ کی اپنی مخلوق سے مثلیت نہ ہو؛ بلکہ اللہ کے جلال وعظمت کے شایان شان ہو، وہ تشبیہ کی غلاظت اور تعطیل (عدم اثبات) کے خون سے بری اور محفوظ رہے گا،

اور یہی اہل سنت کا طریقہ ہے، اور جو چیز کسی صفت کو بندے کے لئے ثابت کرنے کے سبب لازم آئے' اللہ سے اس کی نفی کرنا ضروری ہے، جیسے بندے کی زندگی کے لئے نیند، اونگھ، اور غذا وغیرہ کی حاجت لازم ہے۔ اسی طرح بندہ کے ارادہ میں اپنے نفع کے حصول اور نقصان کے دفاع میں اس کی حرکت نفس لازم ہے۔ اسی طرح بندے کے بلند ہونے میں کسی اونچی چیز کی ضرورت ہے جس پر وہ اٹھایا ہوا ہو، وہ اس کا محتاج اور اس سے گھیرا ہوا ہو۔ تو اللہ پاک و بے عیب تبارک وتعالیٰ سے ان تمام چیزوں کی نفی کرنا واجب ہے، اور کسی صفت کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی حیثیت سے جو چیز لازم آتی ہے' وہ کسی مخلوق کے لئے کسی بھی طرح ثابت نہیں کی جائے گی، جیسے اللہ تعالیٰ کا علم، کہ اس میں قدامت، وجوب اور ہر چیز کا احاطہ لازم ہے، ایسے ہی اللہ کی قدرت، اس کا ارادہ اور دیگر تمام صفات، چنانچہ جو صفات اللہ کے ساتھ خاص ہیں ان کا مخلوق کے لئے ثابت کرنا ممکن نہیں۔

جب آپ اس قاعدہ کو گہرائی سے جان لیں گے اور اسے کما حقہ سمجھ لیں گے' تو آپ کو اُن دونوں آفتوں سے چھٹکارا مل جائے گا جو اہل کلام کی تباہی کی جڑ ہیں: ایک تعطیل کی آفت اور دوسری تشبیہ کی آفت، کیونکہ جب آپ اس مقام کا بھرپور کما حقہ تصور کریں گے تو اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کو حقیقی طور پر ثابت کریں گے' جس سے آپ کو تعطیل (انکار وعدم اثبات) سے چھٹکارا مل جائے گا، اور اللہ کے اسماء وصفات سے مخلوق کی خصوصیات اور اُن کی مشابہت کی نفی کریں گے' جس سے آپ کو تشبیہ سے چھٹکارا مل جائے گا، لہٰذا اس نقطہ پر خوب غور کریں، اور اسے اپنی جنت بنالیں جس کی طرف اس باب میں رجوع کرتے رہیں، اور اللہ تعالیٰ درستی کی توفیق دینے والا ہے[۱]۔

---

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۶۵-۱۶۶، نہایت معمولی تصرف کے ساتھ، نیز دیکھئے: مختصر ===

امام ابن القیم رحمہ اللہ مزید رقمطراز ہیں:

جو اسماء اللہ تعالیٰ اور بندوں پر بھی بولے جاتے ہیں ان کے بارے میں غور کرنے والوں کا اختلاف ہے، جیسے: الحی، السمیع، البصیر، العلیم، القدیر اور الملک وغیرہ، چنانچہ متکلمین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ: یہ اسماء بندہ کے لئے حقیقی ہیں اور رب تعالیٰ کے لئے مجازی، یہ غلو پسند معتزلہ کا قول ہے، یہ سب سے گندہ اور نہایت برا قول ہے۔ اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسماء رب تعالیٰ کے لئے حقیقی اور بندہ کے لئے مجازی ہیں، یہ ابو العباس ناشی کا قول ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ اسماء رب تعالیٰ اور بندہ دونوں کے لئے حقیقی ہیں، یہ اہل سنت کا قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ رب اور بندہ دونوں میں حقیقت کا اختلاف ان ناموں کو دونوں کے لئے حقیقی معنیٰ میں ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اسماء رب تعالیٰ کے لئے اس کے جلال کے شایان شان ہیں اور بندے کے لئے اس کے لائق ومناسب[1]۔

❁ ❁ ❁

=== الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۲/ ۷ ۳، چنانچہ فرماتے ہیں:

''یہ الفاظ جنہیں مخلوق کے حق اور اللہ کے حق دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے' اُن کے کئی اعتبارات ہیں:

اول: یہ کہ وہ خالق سبحانہ کی قید کے ساتھ ہوں، جیسے اللہ کی سماعت، اللہ کی بصارت، اللہ کا چہرہ، اس کے دو ہاتھ، اُس کا استواء، اس کا نزول فرمانا، اس کا علم، اس کی قدرت، اور اس کی زندگی۔

دوم: یہ کہ مخلوق کی قید کے ساتھ ہوں، جیسے انسان کا ہاتھ، اس کا چہرہ، اس کا استواء۔

سوم: یہ کہ وہ ان دونوں اضافتوں سے خالی ہوں، اور مطلق موجود ہوں۔۔۔''۔ پھر ان کی بڑی عمدہ شرح کی ہے۔ دیکھئے: مختصر الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ، ۲/ ۷ ۳۔

(۱) بدائع الفوائد، ۱/ ۱۶۴، قدرے تصرف کے ساتھ۔

بارھواں مبحث:
چند باتیں جن کی معلومات ہونی چاہئے

پہلی بات: جو چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں خبر دینے کے باب میں داخل ہیں وہ اللہ کے اسماء وصفات کے باب میں آنے والی چیزوں سے وسیع تر ہیں، جیسے چیز، موجود، قائم بنفسہ (خود قائم)؛ وغیرہ کیونکہ ان باتوں کے ذریعہ اللہ کے بارے میں خبر دی جاتی ہے، یہ اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ میں داخل نہیں ہوتی۔

دوسری بات: جب کوئی صفت کمال اور نقص دو حصوں میں تقسیم ہو، تو وہ مطلق طور پر اللہ کے ناموں میں شامل نہ ہوگی؛ بلکہ اس صفت کا صرف کمال' اللہ پر بولا جائے گا، جیسے: مرید (ارادہ کرنے والا)، فاعل (کام کرنے والا)، صانع (بنانے والا)؛ یہ الفاظ اللہ کے اسماء میں داخل نہیں ہوں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو مطلقاً صانع کا نام دینے والے کی بات غلط ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے) کیونکہ ارادہ، فعل اور صناعی کی کئی قسمیں ہیں، اسی لئے اللہ نے اپنی ذات کے لئے وہ پہلو استعمال فرمایا ہے جو فعل وخبر کے اعتبار سے کامل ترین ہے۔

تیسری بات: اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں کسی بات کی مقید خبر دیئے جانے سے لازم نہیں آتا کہ اس سے اللہ کا مطلق نام مشتق کیا جائے، جیسا کہ بعض متاخرین نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے

اور''المضل''(گمراہ کرنے والا)، الفاتن (فتنہ وآزمائش میں ڈالنے والا) اور''الماکر''(مکرو چال کرنے والا) وغیرہ کو اللہ کے اسماء حسنیٰ میں شامل کر دیا ہے، اس کی بات سے اللہ بلند و برتر ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کو اپنی ذات کے لئے چند مخصوص و معین افعال میں استعمال کیا ہے، لہٰذا ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا مطلق نام رکھنا جائز نہیں، واللہ اعلم۔

چوتھی بات: اللہ کے اسماء حسنیٰ اعلام (نام) اور اوصاف (دونوں) ہیں، اور ان کے ذریعہ اللہ کو موصوف کرنا عَلَمِیَّت کے منافی نہیں ہے، برخلاف بندوں کے صفات کے، کہ وہ ان کی علمیت کے منافی ہیں؛ کیونکہ ان کے صفات مشترک ہیں، لہٰذا خاص علمیت سے اس کی نفی ہو جاتی ہے، برخلاف اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے (کہ ان میں اشتراک نہیں ہے)۔

پانچویں بات: اللہ کے اسماء حسنیٰ کی دو حیثیتیں ہیں: ایک ذات کی حیثیت اور دوسرے صفات کی حیثیت، چنانچہ وہ پہلے کے اعتبار سے مترادف ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے جدا گانہ۔

چھٹی بات: جو باتیں اسماء وصفات کے باب میں اللہ تعالیٰ پر بولی جاتی ہیں وہ توقیفی ہیں، اور جو باتیں اللہ کے بارے میں خبر دینے کے باب میں بولی جاتی ہیں، ان کا توقیفی ہونا ضروری نہیں، جیسے قدیم، چیز، موجود، اور قائم بنفسہ۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے مسئلہ میں کہ آیا وہ توقیفی ہیں یا اللہ کے بارے بعض ایسی چیزیں بھی بولی جا سکتی ہیں جو کتاب وسنت میں وارد نہیں ہیں، فیصلہ کن بات ہے۔

ساتویں بات: جب اللہ تعالیٰ پر نام کا اطلاق کیا جائے تو اس سے مصدر اور فعل مشتق کرنا جائز ہے، چنانچہ اللہ کے بارے میں فعل اور مصدر کی حیثیت سے خبر دی جا سکتی ہے، جیسے السمیع، البصیر، القدیر جیسے ناموں سے مصدر سماعت، بصارت، اور قدرت کا استعمال کیا جا سکتا

ہے اسی طرح افعال کے ذریعہ بھی خبر دی جاسکتی ہے، جیسے ﴿قَدْ سَمِعَ ٱللَّهُ﴾ (یقیناً اللہ تعالیٰ نے سنی)، ﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ ٱلْقَٰدِرُونَ ۝٢٣﴾ (پھر ہم نے اندازہ کیا اور ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں)، لیکن یہ اس صورت میں جب فعل متعدی ہو، اگر فعل لازم ہو تو اس کے ذریعہ اللہ کے بارے میں خبر نہیں دی جائے گی، جیسے ''الحی''؛ بلکہ اللہ پر صرف اسم اور مصدر کا استعمال کیا جائے گا فعل کا نہیں، چنانچہ ''حَيِيَ''، یعنی زندہ ہوا' نہیں کہا جائے گا۔

آٹھویں بات: اللہ تبارک وتعالیٰ کے افعال اس کے اسماء وصفات سے صادر ہوتے (نکلتے) ہیں اور مخلوقات کے نام اُن کے افعال سے صادر ہوتے (نکلتے) ہیں، چنانچہ اللہ کے افعال اس کے کمال سے ہیں اور مخلوق کا کمال اس کے افعال سے ہے، اس لئے مخلوق کے نام اس وقت مشتق کئے گئے جب وہ فعل کے ذریعہ کمال کو پہنچ گیا۔ جبکہ رب سبحانہ وتعالیٰ ازل سے ہی کامل ہے، بنابریں اس کے افعال اُس کے کمال سے انجام پائے، کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات میں کامل ہے، تو اس سے افعال اس کے کمال سے صادر ہوئے ہیں، وہ کامل ہوا پھر کیا، اور مخلوق نے کیا پھر اس کمال کو پہنچا جو اس کے لائق اور موزوں ہے[1]۔

نویں بات: صفات کی تین قسمیں ہیں: ۱۔صفات کمال، ۲۔صفات نقص، اور ۳۔وہ صفات جو کمال یا نقص کی متقاضی نہیں ہیں، اگر چہ کہ تقدیری تقسیم چوتھی قسم کی بھی متقاضی ہے، یعنی: وہ صفات جو دو اعتبار سے کمال اور نقص دونوں کی ہوں، اللہ تعالیٰ اِن تینوں قسموں سے منزہ اور پاک ہے، صرف پہلی قسم سے متصف ہے، اس کے تمام اوصاف کمال محض ہیں، وہ اکمل ترین صفات سے متصف ہے جو کمال کے اعلیٰ مرتبہ کی ہیں۔ اسی طرح اللہ کے اسماء جو اس

---

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۶۱-۱۶۲، معمولی تصرف کے ساتھ۔

کی صفات پر دلالت کرتے ہیں' سب سے عمدہ اور اکمل ترین ہیں، ناموں میں اُن سے اچھا اور پیارا نام نہیں ہوسکتا، نہ کوئی نام ان کے قائم مقام ہوسکتا ہے، نہ ان کا معنیٰ ادا کرسکتا ہے، ان میں سے کسی نام کی تفسیر کسی دوسرے نام کے ذریعہ خالص مترادف کے ذریعہ تفسیر نہیں؛ بلکہ سمجھانے اور قریب کرنے کے لئے ہے۔ جب آپ نے یہ بات جان لی تو اللہ کی ہر صفتِ کمال سے اس کا عمدہ ترین، اکمل ترین، معانی سے پُر، اور ہر قسم کے عیب ونقص کے شائبہ سے نہایت دور اور پاکیزہ تر نام ثابت ہے، چنانچہ علم وادراک کی خوبی میں اس کی صفت عاقل فقیہ کے بجائے ''العلیم الخبیر''، اور سامع، باصر اور ناظر کے بجائے ''السمیع البصیر'' ہے۔ اور احسان کی خوبیوں میں اس کی صفات شفوق وغیرہ کے بجائے ''البر، الرحیم، الودود'' ہیں۔ اسی طرح وہ رفیع وشریف کے بجائے ''العلی العظیم'' ہے۔ اسی طرح سخی کے بجائے ''الکریم'' ہے، اور فاعل، صانع، مشکل کے بجائے ''الخالق الباریٔ المصور'' ہے، اور صفوح وساتر کے بجائے ''الغفور العفو'' ہے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے ان میں سے اکمل ترین، نہایت عمدہ، اور جس کا کوئی قائم مقام نہ ہو' ایسے ناموں کا اطلاق فرماتا ہے، اسی طرح اللہ کے صفات بھی اکمل ترین صفات ہیں، لہٰذا اللہ نے جو اپنے نام رکھے ہیں انہیں چھوڑ کر دسرے کی طرف مائل نہ ہونا، اسی طرح اللہ کے اپنے بارے میں بتائے ہوئے اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اوصاف سے آگے بڑھ کر باطل پرست معطلوں (منکرین صفات) کے بنائے ہوئے اوصاف کی طرف نہ جانا[1]۔

❁ ❁ ❁

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۶۷-۱۶۸، بہت معمولی تصرف کے ساتھ۔

تیرہواں مبحث:

اللہ کے اسماء حسنیٰ کے شمار کے مراتب جن کا شمار کرنے والا جنت میں داخل ہوگا

یہ اللہ کے اسماء حسنیٰ کے شمار کے مراتب ہیں جن کا شمار کرنے والا جنت میں داخل ہوگا، اور یہی سعادت و نیک بختی کا محور اور نجات و کامرانی کا سرچشمہ ہے۔

پہلا مرتبہ: اسماء حسنیٰ کے الفاظ و تعداد کا شمار۔

دوسرا مرتبہ: ان کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا۔

تیسرا مرتبہ: ان کے ذریعہ اللہ سے دعا کرنا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔

اور اس کے دو مراتب ہیں:

۱۔ حمد و ثنا و عبادت۔

۲۔ دعا، طلب و سوال۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا ہی کے ذریعہ کی جائے گی،

اس سے انہی کے ذریعہ سوال کیا جائے گا، اے موجود، یا اے چیز، یا اے ذات میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما، نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ ہر ضرورت کے وقت اُس نام کے وسیلہ سے دعا کی جائے گی جو اس ضرورت کی متقاضی ہو، لہٰذا دعا کرنے والا اُسی نام کے ذریعہ اللہ کا وسیلہ قائم کرے گا۔ جو رسولوں کی دعاؤں بالخصوص رسولوں کے خاتم و امام علیہم السلام کی دعاؤں پر غور کرے گا اسی کے مطابق پائے گا، اور یہ تعبیر ان لوگوں کے تعبیر سے بہتر ہے جو کہتے ہیں: ''یتخلق بأسماء اللہ'' (یعنی اللہ کے ناموں کے ذریعہ اظہار بندگی کرے) کیونکہ یہ تعبیر درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ فلاسفہ کے اس قول سے نکلی ہے جو ''طاقت کے مطابق الہ کی مشابہت اختیار کرنے'' کے قائل ہیں۔ اور اس سے بہتر ابو الحکم بن برہان کی تعبیر ''التعبد'' ہے، اور اُس سے بہتر وہ تعبیر ہے جو قرآن کریم کے مطابق ہے' یعنی ''الدعا'' جو عبادت اور سوال دونوں کو شامل ہے۔ اس طرح اس کے چار مراتب ہیں، جن میں سب سے گھناؤنی تعبیر فلاسفہ کی ''التشبہ'' ہے، اور اس سے بہتر تعبیر ''التخلق'' کہنے والوں کی ہے، اور اس سے بہتر تعبیر ''التعبد'' کہنے والوں کی ہے، اور سب سے عمدہ تعبیر ''الدعاء'' ہے جو قرآن کریم کا لفظ ہے (۱)۔

❋ ❋ ❋

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۶۴۔

چودہواں مبحث:

اسماء حسنیٰ کی تعداد محدود نہیں ہے

اللہ کے اسماء حسنیٰ حصر وشمار کے دائرے میں نہیں آتے، نہ ہی ان کی کوئی محدود تعداد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اسماء وصفات کو اپنے پاس علم غیب میں چھپا (خاص کر) رکھا ہے، جس کا علم کسی مقرب فرشتے کو ہے نہ نبی مرسل کو، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:

''أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ''[1]۔

میں تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو تیرا ہے، جو تو نے اپنا نام رکھا ہے، یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا تو نے اپنے علم غیب میں اسے چھپا رکھا ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اللہ کے ناموں کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) مسند احمد، ۱/۳۹۱، ومسند ابو یعلی، ۹/۱۹۸-۱۹۹، حدیث (۵۲۹۷)، ومستدرک حاکم، ۱/۵۰۹-۵۱۰، وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، حدیث (۳۳۹-۳۴۰)، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسۃ الصحیحۃ (۱/۳۳۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے: تخریج الکلم الطیب، ص ۷۳۔

۱۔ جو خود اللہ نے اپنا نام رکھا ہے، چنانچہ اسے اپنی مرضی کے مطابق اپنے فرشتوں یا دیگر لوگوں کے لئے ظاہر کیا ہے' اُنہیں اپنی کتاب میں نہیں اتارا ہے۔

۲۔ جو اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا، اور اس کے ذریعہ بندوں نے اللہ کو پہچانا ہے۔

۳۔ جسے اللہ نے اپنے علم غیب میں چھپا رکھا ہے' اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس سے آگاہ نہیں کیا ہے۔

اسی لئے فرمایا: ''اسْتَأْثَرْتَ بِهِ'' (تو نے اسے چھپا رکھا ہے) یعنی صرف تجھے ہی اس کا علم ہے، اس کا یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ نام رکھنے میں منفرد ہے؛ کیونکہ یہ انفرادیت ان اسماء میں بھی ثابت ہے جنہیں اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، اور اسی قبیل سے حدیث شفاعت میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

''فَيَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ بما لَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ الْآنَ''(۱)۔

اس وقت اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں کے ایسے الفاظ کھولے گا جو ابھی میرے بس میں نہیں۔

اور یہ تعریفیں اللہ کے اسماء وصفات کے ذریعہ پوری ہوں گی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ''(۲)۔

تیری تمام حمد وثنا کرنا میرے بس میں نہیں، تو ویسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث (۱۹۳، ۱۹۴)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، حدیث (۴۸۶)۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان:

’’إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ‘‘[1]۔

اللہ تعالیٰ کے ننیانوے نام ہیں، جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تو وہ ایک ہی جملہ ہے۔ اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ’’مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ‘‘۔ (جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا) مستقبل کی خبر نہیں، بلکہ اس کی صفت ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ یوں تو اللہ کے ناموں کی تعداد بہت بڑی ہے، لیکن ان ننیانوے ناموں کی خوبی یہ ہے کہ جو انہیں شمار کرے گا، جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے علاوہ دیگر ناموں کی نفی نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یوں ہے، جیسے آپ کہیں: فلاں کے پاس سو غلام ہیں جنہیں اس نے جہاد کے لئے تیار کر رکھا ہے، تو اس سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ اس کے پاس اُن سو کے علاوہ دیگر غلام بھی ہوں جو جہاد کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے تیار کئے گئے ہیں، اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں[2]۔

❁ ❁ ❁

(۱) صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب ما یجوز من الاشتراط والثنیا فی الاقرار، حدیث (۲۷۳۶)، ومسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب فی أسماء اللہ تعالیٰ وفضل من أحصاھا، حدیث (۲۶۷۷)۔ اور امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی شرح فتح الباری میں فرمائی ہے، ۱۱/ ۲۱۴-۲۲۸، اور حدیث کے اخیر میں ہے: ’’وَهُوَ وَتْرٌ يُحِبُّ الْوَتْرَ‘‘ (اور وہ طاق یعنی اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور طاق کو پسند کرتا ہے)۔

(۲) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۱/ ۱۶۶-۱۶۷، نیز دیکھئے: فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ۶/ ۳۷۹-۳۸۲۔

پندرہواں مبحث:
اللہ کے اسماء حسنیٰ کی شرح (۱)

۱ الأَوَّلُ (پہلا) ۲ الآخِرُ (آخری)

۳ الظَّاهِرُ (ظاہر و غالب) ۴ البَاطِنُ (پوشیدہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ ٱلْأَوَّلُ وَٱلْءَاخِرُ وَٱلظَّٰهِرُ وَٱلْبَاطِنُ﴾ [الحدید:۳]۔

وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی۔

---

(۱) میں نے اللہ کی آسانی کے مطابق اللہ کے اسماء حسنیٰ جمع کیا اور ہر نام کے لئے کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کی ایک دلیل ذکر کی، پھر ان تمام ناموں کو اپنے شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ کو پیش کیا، جن ناموں کو انہوں نے باقی رکھا میں نے انہیں شامل کتاب کیا اور جن میں انہوں نے توقف کیا یا نفی کی میں نے اسے نکال دیا، یہاں تک کہ میرے پاس صحیح دلائل کے ساتھ سو سے زیادہ اسماء حسنیٰ جمع ہو گئے، پھر میں نے ان ناموں میں سے ننیانوے ناموں کو منتخب کیا اور اُن کی مختصر شرح کی، اور شرح کو محققین اور علم عقیدہ کے باب میں پختہ علم والوں کے مراجع سے نقل کیا: جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اُن کے شاگرد امام ابن القیم اور علامہ عبد الرحمن بن ناصر سعدی رحمہم اللہ۔

اور میں نے جن ناموں کو اپنے شیخ کو پیش کیا اور انہوں نے باقی رکھا' ان میں سے جن ناموں کو اس شرح میں ذکر نہیں کیا ہے یہ ہیں: المستعان (مدد مانگا جانے والا)، المسعر (چیزوں کو سستا مہنگا کرنے والا) الطیب (پاکیزہ)، الوتر (طاق یعنی تنہا جس کا کوئی شریک نہیں)۔ ===

....

=== اسی طرح بعض احادیث میں کچھ اور بھی نام آئے ہیں جنہیں میں نے اپنے شیخ کو پیش نہیں کیا، نہ ہی اس شرح میں شامل کرسکا ہوں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ الجَوَادُ: (سخی، فیاض) کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

''إِنَّ اللہَ جَوَادٌ یُحِبُّ الْجُودَ''۔ یقیناً اللہ سخی ہے سخاوت پسند کرتا ہے۔

[اسے امام ابونعیم اصبہانی نے الحلیۃ میں روایت کیا ہے، ۳/۲۶، و ۵/۲۹، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع (۲/۱۰۵، حدیث ۱۷۴۰) میں صحیح قرار دیا ہے، نیز سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۴/۱۶۹، حدیث ۱۶۲۷) میں اور حجاب المرأۃ المسلمۃ (ص ۱۱) میں ذکر فرمایا ہے]۔

۲۔ الدَّیَّانُ: (غالب، قہار) کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

''یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلًا ... ثُمَّ یُنَادِیهِمْ بِصَوْتٍ یَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ کَمَا یَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الدَّیَّانُ''۔

قیامت کے دن لوگوں کو ننگے جسم، غیر مختون اور خالی ہاتھ اکٹھا کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُنہیں ایسی آواز سے پکارے گا جسے دور و نزدیک والے یکساں سنیں گے! میں بادشاہ ہوں، میں حساب لینے والا ہوں یا غالب ہوں۔۔۔۔

[اسے امام احمد (۳/۴۹۵) اور امام حاکم نے (۴/۵۷۴) روایت کیا ہے، اور انہوں نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے، اسی طرح ابن ابی عاصم نے السنۃ (۱/۲۲۵، حدیث ۵۱۴) میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات (۱/۱۳۹-۱۴۰) میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے السنۃ لابن ابی عاصم کی تخریج میں اسے ''صحیح'' کہا ہے، نیز دیکھئے: فتح الباری از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، ۱/۲۰۹، و ۱۳/۴۶۵]۔

اور ''الدیان'' کا معنیٰ القہار ہے۔ [النہایۃ فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر، ۲/۱۴۹]۔

۳۔ المُحْسِنُ: کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے:

''إِنَّ اللہ مُحْسِنٌ یُحِبُّ الْمُحْسِنِینَ'' وفي لفظ: ''إِنَّ اللّٰهَ مُحْسِنٌ یُحِبُّ الْإِحْسَانَ''۔

بیشک اللہ تعالیٰ اچھائی کرنے والا ہے اچھائی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: بیشک اللہ تعالیٰ اچھائی کرنے والا ہے اچھائی کرنے کو پسند کرتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے: اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر (۷/۳۳۲) میں، اور امام عبد الرزاق نے المصنف (حدیث ۸۶۰۳) میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح الجامع (۲/۱۲۹، حدیث ۱۸۱۹، و ۱۸۲۰) میں صحیح قرار دیا ہے، اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (۱/۷۶۱، حدیث ۴۷۰) میں ذکر فرمایا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے چار بابرکت نام ہیں جن کی نبی کریم ﷺ نے جامع اور واضح تفسیر فرمائی ہے، چنانچہ اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اللهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ" الی آخر الحدیث (۱)۔

اے اللہ تو ہی پہلا ہے تجھ سے پہلے کچھ نہیں، تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں، تو ہی ظاہر ہے تجھ سے اوپر کچھ نہیں، اور تو ہی پوشیدہ ہے تیرے پیچھے کچھ نہیں۔ حدیث کے اخیر تک۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ہر نام کی تفسیر اس کے عظیم معنیٰ کے ذریعہ فرمائی، اور اس خلاف اور منافی چیزوں کی اس سے نفی فرمائی۔ لہٰذا ان عظیم اور جلیل القدر معانی پر غور کریں جو رب عظیم و برتر کے کمال مطلق میں منفرد ہونے، اور "اول و آخر" میں زمانی احاطہ اور "ظاہر و باطن" میں مکانی احاطہ پر دلالت کرتے ہیں۔

چنانچہ "اول" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز حادث ہے، پہلے نہ تھی، بعد میں وجود میں آئی ہے، اور ساتھ ہی بندے پر واجب کرتا ہے کہ وہ دینی یا دنیوی نعمت میں اپنے رب کا فضل محسوس کرے؛ کیونکہ سبب اور مسبب دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

اور "آخر" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ ہی وہ مقصود ہے کہ تمام مخلوقات اپنی عبادت، رغبت و چاہت، خوف اور تمام تر مقاصد کے ساتھ اُس کا قصد کرتے ہیں۔

اور "ظاہر" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ عزوجل کی صفات عظیم ہیں اور اُس کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب مایقول عند النوم وأخذ المضجع، حدیث (۲۷۱۳)۔

عظمت کے سامنے ہر چیز پژمردہ ہے، خواہ وہ ذاتیں ہوں یا صفات اور کتنی بھی بلند ہوں۔

اور "باطن" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام سربستہ رازوں، بھیدوں، مخفی و پوشیدہ باتوں اور باریک چیزوں سے واقف اور آگاہ ہے، اسی طرح اللہ کے کمال قربت پر دلالت کرتا ہے۔ اور ظاہر اور باطن میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیونکہ تمام تر صفات میں اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں (۱)۔

⑤ الْعَلِيُّ (بلند) ⑥ الْأَعْلَىٰ (بالا)
⑦ الْمُتَعَالِ (برتر)

ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾﴾ [البقرة:۲۵۵]۔

اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿سَبِّحِ ٱسْمَ رَبِّكَ ٱلْأَعْلَى ﴿١﴾﴾ [الاعلیٰ:۱]۔

اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر۔

نیز ارشاد ہے:

﴿عَـٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَـٰدَةِ ٱلْكَبِيرُ ٱلْمُتَعَالِ ﴿٩﴾﴾ [الرعد:۹]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین ص ۲۵، وشرح القصيدة النونية، از ہراس، ۲/ ۶۷۔

ظاہر و پوشیدہ کا وہ عالم ہے (سب سے) بڑا اور (سب سے) بلند و بالا۔

یہ آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ علو و بلندی کے تمام تر معانی اللہ تعالیٰ کے لئے تمام وجوہ سے ثابت ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے علو ذات ہے؛ وہ تمام مخلوقات کے اوپر ہے، عرش پر مستوی اور بلند و بالا ہے۔

اللہ کے لئے علو قدر ہے، یعنی اللہ کے صفات کی بلندی اور اُن کی عظمت، چنانچہ کسی مخلوق کی صفت اللہ کے مثل نہیں ہو سکتی، یہی نہیں بلکہ ساری مخلوقات کے بس میں نہیں کہ اللہ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے کچھ معانی کا احاطہ کر سکیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِۦ عِلْمًا ۝١١٠﴾ [طٰہ: ١١٠]۔

مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی تمام تر صفتوں میں اس کے مثل کوئی نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ کے لئے علو قہر ہے، چنانچہ وہی تنہا قہار ہے جو اپنی عزت اور بلندی سے تمام مخلوقات پر غالب ہے، مخلوقات کی پیشانیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، اور وہ جو نہ چاہے نہیں ہوتا، اگر پوری مخلوق مل کر کوئی چیز ایجاد کرنا چاہے، جو اللہ نہ چاہتا ہو تو اُن کے بس میں نہیں، اور اگر پوری مخلوق مل کر کوئی چیز روکنا چاہے جس کا اللہ کی مشیت نے فیصلہ کر دیا ہو تو اُسے روک نہیں سکتی، اس لئے کہ اللہ کا اقتدار کامل ہے، اس کی مشیت کا نافذ ہونا یقینی ہے اور تمام تر مخلوقات حد درجہ اور ہر طرح اللہ کے محتاج ہیں [1]۔

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۲۶، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۶۸۔

⑧ العَظِيمُ (عظمت والا، بڑا)

ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾﴾ [البقرة:۲۵۵]۔

اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت سے نہ تھکتا اور نہ اکتاتا ہے، وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ عظیم ہے، موجب تعظیم ہر وصف ومعنیٰ اسی کے لئے ہے، مخلوق کما حقہ اس کی حمد و ثنا نہیں کرسکتی، نہ اللہ کی حمد وثنا کا احاطہ کرسکتی ہے، بلکہ وہ ویسا ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی ثنا کی ہے، وہ بندوں کی حمد وثنا سے کہیں بلند و برتر ہے۔

جان لیں کہ اللہ واحد کے لئے تعظیم کے ثابت معانی کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کمال کے ہر وصف سے متصف ہے، اور اس کے لئے اُس کمال کا سب سے اعلیٰ، عظیم ترین اور وسیع ترین درجہ ہے، چنانچہ اس کے پاس تمام چیزوں کو محیط علم ہے، نافذ قدرت ہے، کبریائی اور عظمت ہے، اور اس کی عظمت ہی کا حصہ ہے کہ آسمان وزمین رحمٰن کی ہتھیلی میں رائی کے دانے سے بھی چھوٹے اور کمتر ہیں، جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، اور اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ وَٱلْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَٱلسَّمَـٰوَٰتُ مَطْوِيَّـٰتٌۢ بِيَمِينِهِۦ ۚ﴾ [الزمر:۶۷]۔

اور ان لوگوں نے جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے تھی نہیں کی، ساری زمین قیامت

کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُمۡسِكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ أَن تَزُولَاۚ وَلَئِن زَالَتَآ إِنۡ أَمۡسَكَهُمَا مِنۡ أَحَدٖ مِّنۢ بَعۡدِهِۦٓۚ﴾ [فاطر:۴۱]۔

یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ ٱلۡعَظِيمُ ٢٥٥﴾ [البقرۃ:۲۵۵]۔

وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿تَكَادُ ٱلسَّمَٰوَٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِن فَوۡقِهِنَّۚ﴾ [الشوریٰ:۵]۔

قریب ہے آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

”إن الله يَقُولُ: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا، عَذَّبْتُهُ“[۱]۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار ہے، جو ان دونوں میں سے کسی میں بھی مجھ سے جھگڑے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الکبر، حدیث (۲۶۲۰)۔

خلاصہ اینکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کبریائی اور عظمت و بڑائی جیسی دو خوبیاں ایسی ہیں کہ دونوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے نہ ان کی حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔

دوسری قسم: اللہ کی عظمت کے معانی میں سے ایک معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور ہونی چاہیئے ساری مخلوق میں ویسی تعظیم کا مستحق کوئی نہیں، اللہ جل جلالہ اس بات کا مستحق ہے کہ بندے اپنے دلوں، اپنی زبانوں اور اپنے اعضاء و جوارح سے اُس کی تعظیم و بڑائی کریں، بایں طور کہ اس کی معرفت، اس کی محبت، اس کے سامنے ذلت و انکساری، اس کی کبریائی کے سامنے پستی اور اس سے ڈرنے میں پوری کوشش صرف کردیں اور اپنی زبان کو اللہ کی حمد و ثنا سے تر رکھیں اور اپنے اعضا و جوارح سے اس کا شکر و بندگی بجالائیں۔

اسی طرح اس کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ کما حقہ اس کا تقویٰ اختیار کیا جائے، چنانچہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد رکھا جائے بھلایا نہ جائے، اور اس کا شکر بجالایا جائے ناشکری نہ کی جائے۔

اسی طرح اس کی تعظیم کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ اُس کے حرام کردہ اور مشروع کردہ امور کی، خواہ وہ زمان و مکان یا اعمال ہوں، تعظیم کی جائے، ارشاد باری ہے:

﴿ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَٰٓئِرَ ٱللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى ٱلْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾﴾ [الحج:٣٢]۔

یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو عزت و حرمت کرے اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے یہ ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكَۖ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَٰتِ ٱللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ عِندَ رَبِّهِۦۗ﴾ [الحج:۳۰]۔

یہ ہے اور جو کوئی اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے اس کے اپنے لئے اس کے رب کے پاس بہتری ہے۔

نیز اس کی تعظیم یہ بھی ہے کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے یا مشروع کیا ہے ان میں سے کسی چیز پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے[1]۔

⑨ المجید (بڑائی وکشادگی والا)

''المجید'' اسے کہتے ہیں جس کے پاس عظمت وکشادگی ہو، عظمت والا، اور مجد صفات کی عظمت و بڑائی اور وسعت کو کہتے ہیں، چنانچہ اللہ کے صفات میں سے ہر ہر صفت عظیم الشان ہے: وہ علیم ہے جو اپنے علم میں کامل ومکمل ہے، رحیم ہے جس کی رحمت ہر چیز کو کشادہ ہے، قدیر یعنی قدرت والا ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی، حلیم ہے جو اپنے حلم و بردباری میں کامل ہے، حکیم ہے جو اپنی حکمت و دانائی میں کامل ہے، یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے بقیہ اسماء وصفات کا ہے[2]، ارشاد باری ہے:

﴿رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِۚ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝٧٣﴾ [هود:۷۳]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۳۳، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۷۱۔

(۲) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۷۱۔

تم پر اے اس گھر کے لوگو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، بیشک اللہ حمد وثنا کا سزاوار اور بڑی شان والا ہے۔

⑩ الْكَبِيرُ (بڑائی والا)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مجد یعنی بڑی شان، کبریائی، اور عظمت و بزرگی کی صفات سے متصف ہے جو ہر چیز سے بڑا، ہر چیز سے عظیم تر اور بزرگ و برتر ہے۔

اور اسی کی تعظیم و بزرگی اس کے اولیاء و برگزیدہ لوگوں کے دلوں میں ہے۔

اللہ کی تعظیم، بزرگی اور اس کے سامنے پستی اور اس کی کبریائی کے لئے ذلت و انکساری سے اُن کے دل بھرے ہوئے ہیں [1]، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكُم بِأَنَّهُۥٓ إِذَا دُعِىَ ٱللَّهُ وَحْدَهُۥ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِۦ تُؤْمِنُوا۟ ۚ فَٱلْحُكْمُ لِلَّهِ ٱلْعَلِىِّ ٱلْكَبِيرِ ۝١٢﴾ [غافر: ۱۲]۔

یہ (عذاب) تمہیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے پس اب فیصلہ اللہ بلند و بزرگ ہی کا ہے۔

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، از علامہ سعدی، ۵ / ۶۲۲۔

⑪ السَّمِيْعُ (سننے والا)

ارشاد باری ہے:

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ۝١٣٤﴾ [النساء:۱۳۴]۔

اور اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔

اکثر و بیشتر اللہ تبارک وتعالیٰ سننے اور دیکھنے کی صفت کو ایک ساتھ ملا کر ذکر فرماتا ہے، چنانچہ سماعت و بصارت دونوں صفتیں اپنے تمام ظاہری و باطنی متعلقات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ وہ سننے والا ہے جس کی سماعت تمام سنی جانے والی چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، چنانچہ عالم بالا و سفلی میں جتنی بھی آوازیں ہیں وہ تمام آوازوں کو خواہ پوشیدہ ہوں یا علانیہ ایسے سنتا ہے گویا اس کے پاس ایک آواز ہے، اس پر آوازیں گڈمڈ نہیں ہوتیں، نہ اس پر تمام زبانیں پوشیدہ ہیں، اس کے نزدیک دور و نزدیک اور علانیہ و پوشیدہ سب یکساں ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ ٱلْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِۦ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِٱلَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِٱلنَّهَارِ ۝١٠﴾ [الرعد:۱۰]۔

تم میں سے کسی کا اپنی بات کو چھپا کر کہنا اور بآواز بلند اسے کہنا اور جو رات کو چھپا ہوا ہو اور جو دن میں چل رہا ہو، سب اللہ پر برابر و یکساں ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قَدۡ سَمِعَ ٱللَّهُ قَوۡلَ ٱلَّتِي تُجَٰدِلُكَ فِي زَوۡجِهَا وَتَشۡتَكِيٓ إِلَى ٱللَّهِ وَٱللَّهُ يَسۡمَعُ تَحَاوُرَكُمَآۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعُۢ بَصِيرٌ ۝١﴾ [المجادلہ:۱]۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔

اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

بابرکت ہے اللہ کی ذات جس کی سماعت ساری آوازوں کو گھیرے ہوئے ہے، اپنے شوہر سے تکرار کرنے والی خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر شکایت کرنے لگی اور میں کمرے کے گوشے ہی میں تھی، اس کے باوجود مجھے اس کی کچھ باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿قَدۡ سَمِعَ ٱللَّهُ قَوۡلَ ٱلَّتِي تُجَٰدِلُكَ فِي زَوۡجِهَا وَتَشۡتَكِيٓ إِلَى ٱللَّهِ وَٱللَّهُ يَسۡمَعُ تَحَاوُرَكُمَآۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعُۢ بَصِيرٌ ۝١﴾ [المجادلہ:۱]۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی سماعت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کا تمام ظاہر و باطنی اور پوشیدہ و علانیہ آوازوں کو سننا اور ان کا مکمل احاطہ کرنا۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کا سوال کرنے والوں، دعا کرنے والوں اور عبادت گزاروں کی

کی دعائیں سننا، انہیں قبول کرنا اور انہیں اجر وثواب دینا، اسی قبیل سے اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝٣٩﴾ [ابراھیم:٣٩]۔

کچھ شک نہیں کہ میرا پالنہار اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے۔

اسی طرح نمازی کی یہ دعاء بھی:

"سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ"۔

اللہ نے سنا جس نے اُس کی حمد وثنا کی۔

یعنی قبول فرمایا۔

⑫ البَصِيرُ (دیکھنے والا)

اللہ تعالیٰ کی بصارت زمین اور آسمانوں کے تمام حصوں میں پھیلی ہوئی والی تمام چیزوں کو محیط ہے، خواہ کوئی چیز کتنی ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں چٹان پر رینگنے والی سیاہ چیونٹی کی چال کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس کے تمام ظاہر و پوشیدہ اعضاء اور اس کے باریک اعضاء میں غذا کے سرایت کرنے کو بھی دیکھ رہا ہے، اسی طرح درختوں کی شاخوں اور ان کی رگ وریشوں میں پانی کے سرایت کرنے کو بھی دیکھ رہا ہے، نیز مختلف قسم کے تمام پودوں کو بھی دیکھ رہا ہے، خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے اور باریک کیوں نہ ہوں، اسی طرح چیونٹی، شہد کی مکھی اور مچھر بلکہ اس سے بھی چھوٹی چیزوں کی پوشیدہ تر رگوں کو بھی دیکھ رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت پاک ہے جس کی عظمت، صفات سے متعلقہ امور کی

وسعت، کمال عظمت، باریک بینی، غیب و حاضر کی اطلاع و آگاہی وغیرہ سے عقلیں حیران وششدر ہیں، نیز وہ نگاہوں کی خیانتوں، پلکوں کے الٹ پھیر اور دلوں کی دھڑکنوں کو بھی دیکھ رہا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِى يَرَىٰكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِى ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾﴾ [الشعراء:٢١٨-٢٢٠]۔

جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جبکہ تو کھڑا ہوتا ہے۔ اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی۔ وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب ہی جاننے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ ٱلْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى ٱلصُّدُورُ ﴿١٩﴾﴾ [غافر:١٩]۔

وہ آنکھوں کی خیانت کو اور سینوں کی پوشیدہ باتوں کو (خوب) جانتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ﴿٩﴾﴾ [البروج:٩]۔

اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے ہر چیز۔

یعنی وہ واقف اور آگاہ ہے اور اس کا علم، بصارت اور سماعت کائنات کی تمام چیزوں کو محیط ہے[1]۔

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۳۴-۳۶، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۶۷۔

⑬ اَلْعَلِیْمُ (جاننے والا) ⑭ اَلْخَبِیْرُ (خبر رکھنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ ٱلْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْحَكِيمُ ٱلْخَبِيرُ ﴿١٨﴾﴾ [الانعام:۱۸]۔

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾﴾ [الانفال:۷۵]۔

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ علم والا ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، خواہ وہ واجبات ہوں یا ناممکنات یا ممکنات، بہرحال اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کریم، پاک ومقدس صفات اور عظیم خوبیوں کا علم ہے، یہی واجبات ہیں جن کا وجود ہی ممکن ہے (عدم وجود ناممکن)، اسی طرح وہ ناممکن چیزوں کو عدم امکان کی حالت میں بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر ان کا وجود ہوتا تو کیا ہوتا، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾ [الأنبياء:۲۲]۔

اگر آسمان وزمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں درہم

برہم ہوجاتے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿مَا ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُۥ مِنْ إِلَٰهٍۚ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهِۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍۚ﴾ [المؤمنون:۹۱]۔

نہ تو اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

چنانچہ یہ اور ان جیسی دیگر آیتیں ناممکنات کے علم سے متعلق ہیں جنہیں اللہ خوب جانتا ہے، اور اللہ کے اس بارے میں خبر دینے سے متعلق ہیں کہ اگر بالفرض اُن کا وجود مان لیا جائے تو اس صورت میں کیا حال ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ ممکنات کو بھی جانتا ہے' یعنی وہ چیزیں جن کا وجود اور عدم وجود دونوں ممکن ہے، اور جن چیزوں کا وجود ہو چکا ہے اور جن چیزوں کا وجود نہیں ہوا ہے کیونکہ اللہ کی حکمت اس کے وجود میں لانے کی متقاضی نہ ہوئی، الغرض اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ علم والا ہے جس کا علم عالم بالا و عالم سفلی دونوں کو محیط ہے، اس کے علم سے کوئی زمان ومکان خالی نہیں، وہ غیب وحاضر، ظاہر و باطن اور پوشیدہ وعلانیہ کا جاننے والا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝٧٥﴾ [الانفال:۷۵]۔

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اللہ کے علم کے محیط ہونے اور اس کی معلومات کی باریکیوں کی تفصیل کے سلسلہ میں اتنی کثرت سے نصوص موجود ہیں کہ ان کا حصر وشمار ممکن نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں' اور نہ ہی اس سے چھوٹی اور

بڑی کوئی چیز، اور نہ ہی وہ غافل ہوتا ہے' نہ بھولتا ہے، نیز اگر مخلوقات کی وسیع اور طرح طرح کی معلومات کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ پژمردہ اور ناپید ہو کر رہ جائیں گی، جیسا کہ اگر ان کی قدرتوں کو اللہ کی قدرت طرف منسوب کیا جائے تو اللہ کی قدرت سے کسی طرح اسے کوئی نسبت نہ ہوگی، چنانچہ اللہ ہی نے انہیں اُن باتوں کی تعلیم دی ہے جو وہ نہیں جانتے تھے، اور اُسی نے انہیں اُن باتوں کی قدرت دی ہے جو ان کے بس میں نہ تھی۔

اور جس طرح اللہ کا علم عالم بالا و سفلی' اور اس میں بسنے والی مخلوقات' اور ان کی ذات، صفات، افعال اور تمام امور کو محیط اور شامل ہے' اسی طرح ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اور لامتناہی مستقبل میں جو کچھ ہوگا، اور جو نہیں ہوا اگر ہوتا کیسا ہوتا' اسے ان تمام باتوں کا بھی بخوبی علم ہے، اس طرح وہ مکلفین (جن پر شرعی احکام لاگو ہیں) کو پیدا کرنے سے لے کر انہیں موت دینے کے بعد اور پھر دوبارہ زندہ کرنے کے بعد کے احوال سے بھی واقف اور آگاہ ہے، اُس کا علم اُن کے تمام اچھے بُرے اعمال، اُن اعمال کی جزا اور دائمی ٹھکانے کی جگہ (آخرت) میں اس کی تمام تر تفصیلات کو گھیرے ہوئے ہے[1]۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ ہی کی وہ ذات ہے جس کا علم تمام ظاہر و باطن، سربستہ و علانیہ، اسی طرح واجبات، محال و ناممکنات اور ممکنات، نیز عالم بالا و سفلی، ماضی، حال اور مستقبل سب کو محیط ہے، کوئی بھی چیز اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے[2]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۷۳-۸۳، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۷۳، وتفسیر السعدی، ۵/ ۶۲۱۔

(۲) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی رحمہ اللہ، ۵/ ۶۲۱۔

⑮ الْحَمِيْدُ (لائق تعریف، خوبیوں والا)

ارشاد باری ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ ﴾ [فاطر:۱۵]۔

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو حیثیتوں سے خوبیوں والا ہے:

اول: اس حیثیت سے کہ تمام مخلوقات اللہ کی حمد و ثنا کے گن گا رہی ہیں، چنانچہ ہر حمد جو آسمانوں اور زمین والوں میں تمام اولین و آخرین کی طرف سے واقع ہوئی ہے، اور ہر حمد جو ان سے دنیا و آخرت میں واقع ہوگی، اور ہر حمد جو ان سے واقع نہیں ہوئی بلکہ مفروض و مقدر ہے، جب تک بھی زمانہ کا سلسلہ جاری رہے اور اوقات جڑتے رہیں، اور وہ بھی ایسی حمد جس سے عالم بالا و سفلیٰ کا پورا وجود لبریز ہو جائے، اور وجود کے مثل بھی لبریز ہو جائے، جس کا کوئی حصر و شمار نہ ہو، اللہ تعالیٰ ان تمام حمد و ثنا کا بہت سارے وجوہ سے مستحق و سزاوار ہے: جیسے یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے، انہیں روزی دیا ہے اور اُسی نے ان پر ظاہری و باطنی، دینی و دنیوی نعمتیں نچھاور کی ہیں، نیز ان سے مصائب و پریشانیوں کو پھیرا ہے، خلاصہ اینکہ بندوں پر جو بھی نعمت ہے اللہ ہی کی جانب سے ہے، اور برائیاں بھی وہی ٹالتا ہے، لہٰذا وہ اس بات کا مستحق ہے کہ بندے ہمہ وقت اللہ کی تعریف کریں، اور لمحہ لمحہ اس کی مدح و ثنا اور

شکر یہ ادا کرتے ہیں۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء حسنیٰ، صفات علیا کاملہ، ساری مدح وستائش اور تمام عظیم وجلیل القدر خوبیوں پر اپنی حمد کا مستحق ہے، کیونکہ اس کے پاس ہر صفت کمال ہے اور ہر صفت وخوبی نہایت کامل اور عظیم تر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں سے ہر صفت پر کامل ترین حمد وثنا کا مستحق ہے' تو بھلا تمام مقدس صفات کا کیا حال ہوگا، لہٰذا اللہ کی ذات پر اُس کی حمد ہے اس کی صفات پر اُس کی حمد ہے، اس کے افعال پر اس کی حمد ہے؛ کیونکہ اس کے افعال فضل واحسان کے افعال اور عدل وحکمت کے افعال کے درمیان گھومتے ہیں' جن پر وہ کمال حمد کا مستحق ہے، اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اس کی تخلیق پر، اس کی شریعت پر' اس کے قدری احکام پر، اس کے شرعی احکام پر اور دنیا و آخرت میں جزاء وبدلے کے احکام پر، اور اس کی حمد اور لائق حمد وثنا اوصاف اور خوبیوں کی تفصیلات کا احاطہ افکار اور عقلیں نہیں کر سکتیں اور نہ قلموں سے ان کا شمار ہو سکتا ہے(۱)۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۳۹-۴۰، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از خلیل ہراس، ۲/۷۵، وتوضیح المقاصد وتصحیح العقائد، ۲/۲۱۵۔

⑯ العزيز (غالب) ⑰ القدیر (طاقت ور)

⑱ القادر (طاقت ور) ⑲ المقتدر (قدرت والا)

⑳ القوی (قوت والا) ㉑ المتین (ٹھوس، زور آور)

ان عظیم ناموں کے معانی قریب قریب ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ مکمل طاقت والا، بڑی قدرت والا، وسیع عزت وغلبہ والا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ [یونس ٦٥]۔

تمام تر غلبہ اللہ ہی کے لیے ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ ٱلْقَوِيُّ ٱلْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾﴾ [ھود:٦٦]۔

یقیناً تیرا رب نہایت توانا اور غالب ہے۔

چنانچہ عزت کے (حسب ذیل) تینوں معانی مکمل طور پر اللہ عظیم و برتر کے لئے ہیں:

۱۔ قوت و طاقت کا غلبہ: جس پر اللہ کے ناموں میں سے "القوی" اور "المتین" دلالت کرتے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم صفت ہے جس کی طرف مخلوقات کی قوت کو، خواہ کتنی ہی

بڑی کیوں نہ ہوں، منسوب نہیں کیا جاسکتا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾﴾[الذاريات:۵۸]۔

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾﴾[الممتحنہ:۷]۔

اللہ کو سب قدرتیں ہیں اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ ٱلْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ ۗ﴾[الانعام:۶۵]۔

آپ کہئے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کرکے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھادے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾﴾[الکهف:۴۵]۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلْمُتَّقِينَ فِى جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِى مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍۭ ﴿٥٥﴾﴾[القمر:۵۴-۵۵]۔

یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔ راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

۲۔ بے نیازی کا غلبہ: کیونکہ اللہ عزوجل بذات خود مالدار و بے نیاز ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، اور بندوں کے بس میں اللہ کو نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں کہ اُسے نقصان پہنچا سکیں' نہ ہی نفع پہنچانے کی طاقت ہے کہ اسے نفع پہنچا سکیں، بلکہ اللہ عزوجل خود ہی نفع ونقصان پہنچانے والا اور دینے روکنے والا ہے۔

۳۔ تمام کائنات پر قہر اور قابو میں کرنے کا غلبہ: چنانچہ ساری مخلوقات اللہ کے سامنے مغلوب' اس کی عظمت کے سامنے جھکی ہوئی اور اُس کے ارادہ کے تابع ہے، چنانچہ مخلوقات کی تمام پیشانیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اللہ کے تصرف' قوت اور اجازت کے بغیر ان میں سے کوئی ہلنے والی چیز ہل سکتی ہے نہ کوئی پھرنے والی چیز پھر سکتی ہے، جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہوتا ہے' اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کے بغیر کوئی قوت وتصرف ممکن ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت ہی کا شاہکار ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، نیز اسی نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، پھر انہیں مار ڈالے گا، پھر انہیں دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ ارشاد باری ہے:

﴿مَّا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ [لقمان:۲۸]۔

تم سب کی پیدائش اور مرنے کے بعد جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جی کا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ [الروم: ۲۷]۔

وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر بہت ہی آسان ہے۔

اسی طرح اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ زمین (بنجر اور) خشک ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی رونق دار نباتات اگاتی ہے، اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے وہ بھی ہے جو اُس نے جھٹلانے والی قوموں اور کافروں ظالموں کے اوپر قسم قسم کی سزائیں اور عذاب کی صورتیں اتاری ہیں، اور انہیں ان کی چالیں، مکروفریب، مال و دولت، لاؤلشکر اور قلعہ جات اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے، جب آپ کے رب کا حکم آگیا، بلکہ ان کی ہلاکت وتباہی میں اضافہ ہی ہوا، بالخصوص اِن اوقات میں؛ کیونکہ یہ حیرت انگیز طاقت، ہوش رُبا ایجادات' جہاں تک ان امتوں کی رسائی ہو چکی ہے، یہ قدرت انہیں اللہ ہی نے دی ہے اور اسی نے سکھایا ہے' جس کا انہیں علم نہ تھا، تو یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُن کی قوتیں' قدرتیں اور نئی نئی ایجادات اُن پر آنے والی تباہیوں اور ہلاکت انگیز سزاؤں کے روکنے میں کوئی کام نہ آسکیں، باوجودیکہ انہوں نے ان سے تحفظ اور بچاؤ کی تدبیروں کے لئے تمام تر کوششیں صرف کر ڈالیں، کیونکہ اللہ کا حکم وفیصلہ غالب ہے، اور عالم بالا وسفلیٰ کے اسباب وعناصر اس کی قدرت کے تابع ہیں۔

اسی طرح اللہ کی قدرت وعزت کے کمال وشمول کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کا خالق ہے اسی طرح اُن کے اعمال، نیکیوں اور گناہوں کا بھی پیدا کرنے والا ہے، جبکہ یہ بھی بندوں ہی کے کام ہیں، چنانچہ انہیں پیدا کرنے اور مقدر کرنے کے اعتبار سے اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور انجام دینے اور حقیقت سے براہ راست

منسلک ہونے کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی قدرت وارادہ کا خالق ہے، اور مکمل سبب کا خالق ہی مسبب کا خالق ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾﴾ [الصافات:۹۶]۔

حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے وہ بھی ہے جو اس نے اپنی کتاب میں اپنے اولیاء کی، تعداد و اسباب کی قلت کے باوجود اُن کے دشمنوں کے خلاف، مدد کا تذکرہ فرمایا ہے، جو اُن سے تعداد و اسباب میں کہیں آگے تھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةًۢ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۗ﴾ [البقرة:۲۴۹]۔

بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پا لیتی ہیں۔

اسی طرح اللہ کی قدرت ورحمت کی نشانیوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ جہنمیوں کے لئے قسم قسم کے عذاب اور اور جنتیوں کے لئے انواع وقسام کی دائمی، بکثرت اور لگاتار نعمتیں پیدا فرمائے گا جو نہ بند ہوں گی نہ ختم[1]۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے موجودات کو وجود بخشا ہے، اپنی قدرت سے ان کی تدبیر کیا ہے، اپنی قدرے سے انہیں برابر اور مستحکم کیا ہے، وہ اپنی قدرت سے مارتا اور جلاتا ہے، اور اپنی قدرت سے بندوں کو اپنے کئے کا بدلہ دینے کے لئے قیامت کے دن دوبارہ

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۴۵-۴۶، وشرح القصیدة النونیة، از ہراس، ۲/ ۷۸، وتفسیر السعدی، ۵/ ۶۲۴۔

زندہ کرے گا، اور نیک کار کو اس کی نیکی اور بدعمل کو اس کی بدعملی کا بدلہ دے گا، وہ اپنے قدرت سے دلوں کو جیسا چاہتا ہے پلٹتا اور پھیرتا ہے کہ اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے:

﴿كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾﴾ [يس:٨٢][1]۔

ہوجا، وہ اسی وقت ہوجاتی ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا۟ يَأْتِ بِكُمُ ٱللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾﴾ [البقرة:١٤٨]۔

جہاں کہیں بھی تم ہوگے، اللہ تمہیں لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

⑳ ٱلْغَنِيُّ (مالدار، بے نیاز)

ارشاد باری ہے:

﴿وَأَنَّهُۥ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾﴾ [النجم:٤٨]۔

اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلْغَنِىُّ

(١) تفسیر علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی، ۵/ ۶۲۴۔

ٱلۡحَمِيدُ ﴿١٥﴾ [فاطر:١٥]۔

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسا غنی اور بے نیاز ہے کہ اسے تمام زاویوں سے مکمل اور مطلق بے نیازی حاصل ہے، کیونکہ اس کی ذات کامل ہے، اور اس کے صفات کامل ہیں، اُن میں کسی طرح کے کسی نقص کا گزر نہیں ہوسکتا، اور اللہ تعالیٰ کا غنی اور بے نیاز ہونا ہی ممکن ہے، کیونکہ بے نیازی اس کی ذات کا لازمہ ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ احسان کرنے والا، سخی، محسن، رحم و کرم کرنے والا ہی ہوسکتا ہے، اور ساری کی ساری مخلوقات کسی بھی حالت میں اللہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتی، وہ اپنے وجود پانے، باقی رہنے اور دیگر تمام حاجات یا مجبوریوں میں اللہ کی محتاج ہے، اور اللہ کی بے نیازی کی وسعت یہ ہے کہ آسمان، زمین اور رحمت کے خزانے اُسی کے ہاتھ میں ہیں، اور اپنی مخلوق پر اس کا جود وسخا تمام تر لمحات واوقات میں پیہم جاری ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ شب و روز لُٹا رہا ہے، اور مخلوق پر اللہ کی خیر و بھلائی موسلا دھار ہے۔

اسی طرح اللہ کا کمال بے نیازی اور کرم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی دعاء کا حکم دیتا ہے اور ان کی دعاؤں کی قبولیت اور مرادیں برلانے کا وعدہ فرماتا ہے، اور انہیں اپنے فضل سے جو مانگتے ہیں وہ بھی دیتا ہے اور جو نہیں مانگتے ہیں وہ بھی دیتا ہے، اسی طرح اس کا کمال بے نیازی ہے کہ اگر اول تا آخر تمام مخلوقات ایک جگہ جمع ہو جائیں اور سب ایک ساتھ اللہ سے مانگیں اور اللہ ہر ایک کو اس کا مطلوب اور اس کی آرزو کے مطابق سب کچھ دیدے تو اس کی ملکیت و بادشاہت سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔

اسی طرح اس کے کمال بے نیازی اور نوازشات کی وسعت وفراوانی کا حصہ وہ بھی ہے جو

وہ اپنے دار کرامت کے باسیوں (جنتیوں) کو پیہم نعمتیں اور لذتیں، اور پے در پے بھلائیوں سے نوازے گا' جسے کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فرد بشر کے دل میں اس کا کھٹکا گزرا۔

اسی طرح اس کے کمال بے نیازی کا حصہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے کوئی بیوی بنایا ہے نہ اولاد، نہ بادشاہت میں کوئی ساجھی وشریک، اور نہ ہی کمزوری کے سبب کوئی معاون ومددگار، لہٰذا وہ ایسا غنی و بے نیاز ہے جو اپنی صفات اور خوبیوں سے کامل و مکمل ہے، جو اپنی ساری مخلوق کو مالداری عطا کرنے والا ہے[1]۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ بے نیاز ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور مطلق بے نیازی کا مالک ہے، اور وہی اپنی تمام مخلوقات کو عام مالداری دینے والا ہے اور اپنی مخلوق میں خاص لوگوں کو اُن کے دلوں کو ربانی علوم ومعارف اور ایمانی حقائق سے بہرہ ور فرما کر خاص مالداری عطا کرنے والا ہے[2]۔

⓶⓷ الحَکِیْمُ (حکمت ودانائی والا)

ارشاد باری ہے:

﴿ وَهُوَ ٱلْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِۦ وَهُوَ ٱلْحَكِيمُ ٱلْخَبِيرُ

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۴۷-۴۸، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۷۸۔

(۲) تفسیر علامہ سعدی رحمہ اللہ، ۵/ ۶۲۹۔

﴿۱۸﴾ [الانعام:۱۸]۔

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ وہ حکیم و دانا ہے جو کمال حکمت و دانائی اور مخلوقات کے مابین کمال حکم وفیصلہ کی صفت سے متصف ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ حکیم یعنی وسیع علم والا اور معاملات کے آغاز وانجام سے آگاہ ہے، خوب تعریف والا ہے، مکمل قدرت والا ہے، بے پناہ رحمتوں والا ہے، وہی ہے جو اپنی تخلیق وحکم میں تمام چیزوں کو اپنی جگہ پر رکھتا ہے اور انہیں ان کا مناسب مقام دیتا ہے' لہٰذا اس کی طرف کوئی سوال اٹھ سکتا ہے نہ اس کی حکمت میں کوئی بات عیب لگا سکتی ہے۔

اور اس کی حکمت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اپنی مخلوقات میں اللہ کی حکمت: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ اور حق پر مشتمل پیدا کیا ہے، اور اس کی غرض و غایت اور مقصد بھی حق ہے، اللہ نے تمام مخلوقات کو نہایت عمدہ نظام کے ساتھ پیدا کیا ہے اور انہیں پوری طرح مرتب کیا ہے، اور ہر مخلوق کی اس کے شایان شان ساخت بنائی ہے، بلکہ مخلوقات کے اجزاء میں سے ہر ایک جز کو اور حیوانات (جانداروں) کے اعضاء اور پرزوں میں سے ہر ایک عضو کو مناسب ساخت اور شکل عطا فرمائی ہے، بایں طور کہ کسی کو اللہ کی تخلیق و بناوٹ میں کوئی خلل، یا کمی خامی، یا شگاف نہیں نظر نہیں آتا، چنانچہ اگر اول تا آخر تمام مخلوقات کی عقلیں اس بات کے لئے اکٹھی ہو جائیں کہ رحمٰن کی تخلیق کے مثل ایک نئی چیز پیدا کریں یا کم از کم کائنات میں اللہ کے ودیعت کردہ حسن و جمال، نظم وضبط اور پختگی کے قریب قریب کوئی چیز ایجاد کر دیں تو انہیں اس کی قدرت

نہیں، اور انہیں ان میں سے کسی چیز کی قدرت کیونکر ہو سکتی ہے، اُن میں سے عقلمندوں اور حکمت و دانائی والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ انہیں اللہ عزوجل کی کچھ حکمتوں کی معرفت حاصل ہو جائے اور وہ کائنات کے حسن و جمال اور پختگی سے کسی حد تک آگاہ اور واقف کار ہو جائیں۔ اور اللہ کی عظمت اور کمال صفات کے علم، اور تخلیق وحکم میں اللہ کی حکمتوں کی جستجو کے ذریعہ یہ بات قطعی طور پر معلوم بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو چیلنج کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ دیکھیں اور بار بار دیکھیں اور غور کریں کہ کیا انہیں اللہ کی تخلیق و بناوٹ میں کوئی خلل یا نقص وعیب نظر آتا ہے، نیز یہ کہ نتیجہ یہی ہوگا کہ نگاہیں اللہ کی مخلوقات میں سے کسی بھی چیز پر نقد کرنے سے عاجز و درماندہ ہو کر پلٹ آئیں گی۔

دوسری قسم: اپنی شریعت اور حکم میں اللہ کی حکمت، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شریعتیں بنائی ہیں، کتابیں اتاری ہیں اور رسولوں کو مبعوث کیا ہے، تاکہ بندے اُسے پہچانیں اور اس کی عبادت کریں، تو اس سے عظیم تر حکمت اور کیا ہو سکتی ہے، اور اس سے بڑا فضل واحسان اور کیا ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت، اس کی تنہا عبادت' جس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے اخلاص عمل، اس کی حمد وثنا اور شکر گزاری اپنے بندوں پر اللہ کا مطلق طور پر افضل ترین عطیہ ہے، اور جسے اللہ کا یہ احسان مل جائے اس کے لئے سب سے بڑا فضل وانعام ہے، اور بندوں کے قلوب وارواح کے لئے کامل ترین سعادت ومسرت ہے، اسی طرح یہ چیزیں ابدی سعادت ونیک بختی اور دائمی نعمتوں کی رسائی کا واحد سبب اور ذریعہ ہیں، لہٰذا اگر اللہ کے حکم وشریعت میں صرف یہی عظیم حکمت ہوتی جو تمام تر بھلائیوں کی جڑ اور سب سے بڑی لذت ونعمت ہے اور اسی کے لئے مخلوق کی تخلیق ہوئی ہے اور جزا و بدلہ طے کیا گیا ہے، اور اسی کے لئے جنت وجہنم کی تخلیق ہوئی ہے' تو بھی کافی وشافی ہوتی۔

اس کے علاوہ اللہ کا دین وشریعت ہر بھلائی پر مشتمل ہے، چنانچہ اس دین وشریعت کی باتیں دلوں کو علم، یقین، ایمان اور صحیح عقائد سے بھر دیتی ہیں، ان سے دلوں میں استقامت پیدا ہوتی ہے اور اس کا انحراف وفساد ختم ہوتا ہے، نیز اس سے ہر عمدہ اخلاق، عمل صالح اور رشد و ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں۔

اللہ کے احکامات اور منع کردہ امور نہایت عظیم حکمت اور دین و دنیا کی بھلائی و اصلاح پر مشتمل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی بات کا حکم دیتا ہے جس میں سراپا خیر و مصلحت ہو یا جس میں خیر و بھلائی کا پہلو غالب ہو، اور اسی بات سے منع فرماتا ہے جس میں سراپا نقصان ہو یا جس میں نقصان کا پہلو راجح ہو۔

اور اسلامی شریعت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جس طرح وہ قلوب، اخلاق، اعمال اور صراط مستقیم پر استقامت کی انتہا ہے، اسی طرح وہ دنیا کی خیر و بھلائی کی بھی انتہا ہے، چنانچہ دنیا کے مسائل درحقیقت اسی دین حق سے درست ہو سکتے ہیں جسے محمد ﷺ لے کر آئے ہیں، اور اس چیز کو ہر عقل مند دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، کیونکہ امت محمدیہ ﷺ جب تک اس دین کے اصول و فروع اور اس کی تمام تر ہدایات اور رہنمائیوں پر قائم تھی اس کے حالات حد درجہ درست اور عمدہ تھے، لیکن جب سے اس نے انحراف کیا اور اس کی بہت ساری ہدایات کو پس پشت ڈال دیا اور اس کی بلند ترین تعلیمات سے رہنمائی نہیں لیا تو دین کی طرح ان کی دنیا بھی تباہ ہوگئی۔

اسی طرح دیگر قوموں کو دیکھئے جو قوت وطاقت اور حضارت وشہریت (تعمیر و ترقی) کے نہایت بلند مقام پر فائز ہیں، لیکن دین اور اس کی رحمت اور عدل و انصاف سے خالی ہونے کے باعث، اس کا نقصان اس کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہوا، اور اس کی شر و برائی اس کے خیر و بھلائی سے کہیں بڑھ کر ہوئی، اور ان قوموں کے علماء، حکماء اور زمام کار لوگ پیدا ہونے

والی برائیوں کی تلافی سے عاجز و درماندہ رہ گئے، اور اپنی مذکورہ حالت پر رہتے ہوئے انہیں ہرگز اس کی قدرت نہیں ہوسکتی؛ اسی لئے یہ اللہ کی حکمت ہے کہ نبی کریم محمد ﷺ کا لایا ہوا دین اور قرآن کریم آپ ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت وحقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے؛ کیونکہ وہ محکم و مکمل ہے اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

خلاصۂ کلام اینکہ ''الحکیم'' سے دونوں چیزیں متعلق ہیں، اللہ کی مخلوقات بھی اور شریعتیں (احکامات) بھی، اور یہ ساری چیزیں نہایت مستحکم اور مضبوط ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے قدری (تقدیری) احکام، شرعی احکام، اور جزائی (سزا و بدلہ والے) احکام سب میں حکیم و دانا ہے، اور قدری اور شرعی احکام میں فرق یہ ہے کہ قدر کا تعلق ان چیزوں سے ہے جنہیں اللہ نے وجود بخشا، بنایا اور مقدر کیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا ہوگا اور جو نہیں چاہے گا نہیں ہوگا، جبکہ احکام شرع کا تعلق ان باتوں سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ مشروع کرتا اور حکم دیتا ہے، اور بندہ (جو اللہ کی زیرِ نگرانی ہے) ان دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوسکتا، چنانچہ بندگان میں سے جو اللہ کے پسندیدہ اور رضا کے کام کرے گا' اس میں دونوں حکم اکٹھا ہو جائیں گے اور جو اس کے خلاف کرے گا، اس میں تقدیری حکم تو پایا جائے گا؛ کیونکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اللہ کی تقدیر وفیصلہ سے انجام پایا ہے' لیکن اس میں شرعی حکم کا فقدان ہوگا کیونکہ اس نے اللہ کی پسندیدہ اور رضامندی کا کام ترک کر دیا، لہٰذا خیر، شر، نیکیاں اور گناہ و معاصی تمام چیزیں حکم تقدیری سے متعلق اور اس کے ماتحت ہیں، اور ان میں سے جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہیں' وہ حکم شرعی کے تابع اور اس سے متعلق ہیں، واللہ اعلم (۱)۔

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۴۸-۵۴، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۸۰، وتفسیر السعدی، ۵/ ۶۲۱، وتوضیح المقاصد وتصحیح القواعد فی شرح قصیدۃ الامام ابن القیم، از احمد بن ابراہیم عیسیٰ، ۲/ ۲۲۶۔

۲۴ الحلیم (بردبار)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَعۡلَمُ مَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ فَٱحۡذَرُوهُۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٞ ﴿٢٣٥﴾ ﴾ [البقرة:۲۳۵]۔

جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے، تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے۔

یعنی جو اپنی مخلوق پر، اُن کے گناہ معاصی اور بکثرت لغزشوں کے باوجود، اپنی ظاہری و پوشیدہ نعمتیں نچھاور کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ گنہ گاروں کے بالمقابل حلم و بردباری فرماتا ہے، اور انہیں معافی مانگنے کا موقع دیتا ہے تا کہ توبہ کرلیں، اور مہلت دیتا ہے تا کہ رجوع کرلیں[۱]۔

اللہ تعالیٰ ہی اس کامل حلم و بردباری سے متصف ہے جو کافروں، فاسقوں اور گنہ گاروں سب کو وسیع ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فوری عذاب میں مبتلا کرنے کے بجائے مہلت دے رکھی ہے، تا کہ توبہ کرلیں، جبکہ اگر اللہ چاہتا تو گناہ سرزد ہوتے ہی انہیں پکڑ لیتا؛ کیونکہ گناہوں کا تقاضہ یہ ہے کہ مختلف قسم کی فوری سزاؤں کی شکل میں ان کے آثار مرتب ہوں، لیکن یہ محض اللہ کا حلم و بردباری ہے جس نے انہیں مہلت دے رکھا ہے[۲]، جیسا کہ اللہ

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی، ۵/ ۶۳۰۔

(۲) شرح القصيدة النونية، از ہراس، ۲/ ۸۶۔

عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ ٱللَّهُ ٱلنَّاسَ بِمَا كَسَبُوا۟ مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَآبَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِۦ بَصِيرًۢا ﴿٤٥﴾﴾ [فاطر:۴۵]۔

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے اعمال کے سبب دارو گیر فرمانے لگتا تو روئے زمین پر ایک جاندار کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے، سو جب ان کی وہ میعاد آپہنچے گی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ ٱللَّهُ ٱلنَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَآبَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَـْٔخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾﴾ [النحل:۶۱]۔

اگر لوگوں کے گناہ پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا لیکن وہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دیتا ہے، جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

㉕ الْعَفُوُّ (معاف کرنے والا)

㉖ الْغَفُورُ ㉗ الْغَفَّارُ (بہت بڑا بخشنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝٦٠﴾ [الحج:٦٠]۔

بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔

جو ہمیشہ سے اور ہمیشہ ہمیش معافی سے معروف، اور اپنے بندوں کو بخشنے اور درگزر کرنے کی صفت سے متصف ہے۔

ہر شخص جیسے اللہ کی رحمت اور احسان وکرم کا محتاج ہے اسی طرح اس کی معافی اور بخشش کا بھی محتاج ومجبور ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بخشش اور معافی کے اسباب اپنانے والوں کو اس کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد باری ہے[1]:

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ۝٨٢﴾ [طٰہٰ:٨٢]۔

ہاں بیشک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں ایمان لائیں نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔

(١) تفسیر السعدی، ٥ / ٦٢٣، نیز دیکھئے: الحق الواضح المبین، ص ٥٦۔

اور ''العفو'' وہ ذات ہے جس کے پاس عام معافی ہے جو بندوں سے سرزد ہونے والے گناہوں کو شامل ہے، بالخصوص جب وہ معافی کا سبب فراہم کریں، جیسے ، استغفار، توبہ، ایمان، اور اعمال صالحہ وغیرہ، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، ان کے گناہ معاف کرتا ہے، وہ معاف کرنے والا ہے' معافی کو پسند کرتا ہے، وہ اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ ان اسباب کے حصول کی کوشش کریں جن سے اللہ کی معافی سے ہمکنار ہوسکیں: جیسے اللہ کی رضا کے کاموں کی کوشش اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ۔ اور اللہ کے کمال کا شاہکار ہے کہ بندہ اپنے آپ پر جتنی بھی زیادتی کرلے' پھر اللہ کی طرف توبہ کرے اور رجوع ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے صغیرہ وکبیرہ تمام جرائم کو معاف کردیتا ہے' اور اس نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ اسلام اپنے پہلے سے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ اپنے سے پیشتر تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے [۱]، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ۝٥٣ ﴾ [الزمر: ۵۳]۔

(میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔

اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے:

''قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: يَا ابْنَ ادَمَ إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ

(۱) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۸۶، والحق الواضح المبین، ص ۵۶۔

خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً"[۱]۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کی اولاد! یقیناً اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہ لے کر آئے، پھر تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کیا ہو، تو میں تیرے پاس زمین بھر بخشش لے کر آؤں گا۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ [النجم: ۳۲]۔

بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بخشش کے حصول کے ذرائع کھول رکھے ہیں: جیسے توبہ، استغفار، ایمان، عمل صالح، بندگان الٰہی کے ساتھ حسن سلوک، ان سے عفوو درگزر، اللہ کے فضل کی پختہ لالچ، اللہ سے خوش گمانی، اوراس کے علاوہ دیگر نیکیاں جنہیں اللہ نے اپنی مغفرت سے قریب کرنے والا بنایا ہے[۲]۔

㉘ اَلتَّوَّابُ (توبہ قبول کرنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ

(۱) جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب خلق اللہ مائۃ رحمۃ، حدیث (۳۵۴۰)، علامہ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح الجامع (۵/ ۵۴۸) میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) الحق الواضح المبین ص ۷۳-۷۴۔

ٱلصَّدَقَٰتِ وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾﴾ [التوبہ: ۱۰۴]۔

کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے۔

اللہ تعالیٰ ''التواب'' ہے یعنی ہمیشہ سے بندوں کی توبہ قبول کرتا رہا ہے اور گنہ گاروں کے گناہوں کی بخشش فرماتا رہا ہے، لہٰذا جو بھی اللہ کی طرف خالص توبہ کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے: پہلے انہیں توبہ کرنے اور اپنے دلوں کو اللہ کی طرف آمادہ کرنے کی توفیق دیتا ہے، اور پھر ان کے توبہ کرنے کے بعد ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے (۱)۔

اور اس بنیاد پر اللہ کے اپنے بندے کی توبہ قبول کرنے کی دو قسمیں ہیں:

اول: بندے کے دل میں اپنی طرف توبہ کرنے اور رجوع ہونے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، لہٰذا بندہ توبہ کرتا ہے اور گناہوں سے باز آکر، اس پر نادم ہو کر اور دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرکے اور اسے عمل صالح سے بدل کے' توبہ کے شرائط پورے کرتا ہے۔

دوم: اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے؛ کیونکہ توبہ اپنے سے پیشتر گناہوں کو مٹا دیتا ہے (۲)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَٱسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ

---

(۱) تفسیر شیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی، ۵/ ۶۲۳۔

(۲) الحق الواضح المبین، ص ۷۴۔

تَوَّابًا ﴿٣﴾﴾ [النصر:٣]۔
تو اپنے رب کی تسبیح کرنے لگ حمد کے ساتھ اور اس سے مغفرت کی دعا مانگ، بیشک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

㉙ الرَّقِيبُ (نگراں، باریکیوں سے باخبر)

الرقیب: یعنی سینوں کے سربستہ رازوں سے آگاہ، ہر نفس کی کارکردگی کی نگہداشت کرنے والا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبٗا ﴿١﴾﴾ [النساء:١]۔
بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اور رقیب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے جس نے مخلوقات کی حفاظت کر رکھا ہے اور انہیں نہایت عمدہ نظم اور مکمل تدبیر کے ساتھ چلا رہا ہے[1]۔

㉚ الشَّهِيدُ (تمام باتوں سے آگاہ)

''الشہید'' یعنی تمام چیزوں سے آگاہ اور ان کی اطلاع رکھنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ وعلانیہ تمام آوازوں کو سن لیا ہے۔ اور تمام موجودات کو خواہ باریک ہوں یا موٹی، چھوٹی ہوں

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی، ۵ / ۶۲۳۔

یا بڑی دیکھ لیا ہے، اور اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، جو اپنے بندوں کے عمل کے مطابق، اُن کے حق میں بھی آگاہ ہے اور ان کے خلاف بھی آگاہ ہے[1]۔

شیخ عبد الرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الرقیب'' اور ''الشہید'' دونوں مترادف ہیں، اور دونوں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ کی سماعت تمام سنائی دینے والی باتوں کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی بصارت دکھائی دینے والی چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اور اُس کا علم تمام پوشیدہ وعلانیہ معلومات کو محیط ہے، اللہ تعالیٰ دلوں میں کھٹکنے والی چیزوں اور حرکت کرنے والی نگاہوں سے مطلع اور آگاہ ہے، اعضاء و جوارح سے انجام پانے والے ظاہری افعال سے بدرجہ اولیٰ واقف اور مطلع ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝١﴾ [النساء:۱]۔

بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ شَهِيدٌ ۝٦﴾ [المجادلۃ:۶]۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

اور اسی لئے ''مراقبہ'' جو دلوں کے بلند ترین اعمال میں سے ہے، اللہ کے نام ''الرقیب'' اور ''الشہید'' کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرنے کا نام ہے، کیونکہ جب بندے کو اس بات کا علم ہوگا کہ اس کی ظاہری و باطنی حرکتیں اللہ کے علم کے گھیرے میں ہیں، اور اس علم کو وہ ہر حال میں اپنے دل و دماغ میں تازہ رکھے گا، تو یہ چیز اللہ کی ناپسندیدہ ہر سوچ وفکر سے اس کے باطن کی نگرانی اور اللہ کو ناراض کرنے والے ہر قول وفعل سے اس کی ظاہر کی حفاظت کی موجب

(۱) تفسیر علامہ سعدی، ۵ / ۶۲۸، نیز نام ''الشہید'' اور ''المؤمن'' کی شرح مدارج السالکین (۳ / ۴۶۶) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہوگی۔اور وہ اللہ کی بندگی میں مقام احسان پر فائز ہوگا، چنانچہ اللہ کی عبادت ایسے کرے گا' گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے' اور اگر وہ اُسے نہ دیکھ رہا ہو تو اللہ اُسے (ضرور) دیکھ رہا ہے[1]۔

اور جب اللہ تعالیٰ نہایت پوشیدہ اور باریک امور کا نگراں اور بھیدوں اور نیتوں سے آگاہ ہے تو ظاہری اور علانیہ امور کو بدرجۂ اولیٰ جاننے والا ہوگا، یعنی وہ افعال جو ارکان یعنی اعضاء وجوارح سے انجام دیئے جاتے ہیں[2]۔

۳۱ الحفیظ (محافظ، نگہبان)

ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝٥٧﴾ [ھود:۵۷]۔

یقیناً میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔

''الحفیظ'' کے دو معانی ہیں:

پہلا معنیٰ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال' بھلائی، برائی اور اطاعت' گناہ وغیرہ کو محفوظ کر رکھا ہے؛ کیونکہ اللہ کا علم بندوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ اعمال کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ لوح محفوظ میں درج ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لکھنے والے معزز فرشتے متعین کر رکھے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝١٢﴾ [الانفطار:۱۲]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین ص ۵۸-۵۹۔

(۲) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/۸۸۔

جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کی حفاظت کے اس معنیٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندوں کے تمام ظاہری و باطنی حالات ،لوح محفوظ اور اسی طرح فرشتوں کے ہاتھوں میں موجود صحیفوں میں ان کی کتابت وغیرہ کو محیط ہے، نیز اللہ تعالیٰ ان کی مقدار، پورا ادھورا ہونے، اور ثواب وعذاب میں اس کے صلہ کی مقدار وغیرہ کو بھی بخوبی جاننے والا ہے، پھر اپنے فضل اور عدل وانصاف سے ان کا بدلہ دے گا۔

دوسرا معنیٰ: ''الحفیظ'' کے معنوں میں سے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ناپسندیدہ چیزوں سے بندوں کی حفاظت ونگرانی کرنے والا ہے،اور بندوں کے تئیں اللہ کی حفاظت ونگرانی کی دو قسمیں ہیں: عام،اور خاص۔

پہلی قسم: اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کی عمومی حفاظت اور دیکھ ریکھ، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے وہ اسباب آسان فرماتا ہے جن سے ان کی غذا اور خوراک فراہم ہو اور ان کے جسم ووجود کی حفاظت ہو، اور وہ اللہ کی عمومی ہدایت ورہنمائی کے ذریعہ اللہ کی ہدایت اور اپنی مصلحتوں کی طرف چل سکیں، جس کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿رَبُّنَا ٱلَّذِىٓ أَعْطَىٰ كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهُۥ ثُمَّ هَدَىٰ ۝٥٠﴾ [طٰہ:۵۰]۔

ہمارے رب نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھادی۔

یعنی مخلوق کو اس کی ضروریات وحاجات کے سلسلہ میں جو کچھ مقدر کیا اور فیصلہ فرمایا ہے اس کی رہنمائی کردی، جیسے کھانا پینا، شادی بیاہ، اور اس کے اسباب کے لئے دوڑ دھوپ کی رہنمائی وغیرہ، اسی طرح اللہ مخلوقات سے مختلف قسم کی تکالیف اور پریشانیوں کا دفاع کرتا ہے، اور اس (عمومی حفاظت) میں نیک اور بد دونوں برابر ہیں، بلکہ حیوانات وغیرہ بھی شامل

ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمینوں کو ٹلنے سے محفوظ کر رکھا ہے، اور وہی اپنی نعمتوں کے ذریعہ تمام مخلوقات کی دیکھ ریکھ فرما رہا ہے، اور اُس نے آدمی کے ساتھ نگراں فرشتے متعین کر رکھا ہے جو اللہ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی اُس سے ان تمام تکلیف دہ چیزوں کو ہٹاتے ہیں، جو اگر اللہ کی نگہداشت نہ ہوتی تو اسے تکلیف پہنچاتے۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کی اپنے اولیاء کی خاص حفاظت اور نگہدات، گزشتہ باتوں کے علاوہ، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو نقصان پہنچانے اور ان کے یقین کو کمزور کرنے والے شبہات، فتنوں اور خواہشات سے ان کی حفاظت فرماتا ہے، انہیں ان سے عافیت میں رکھتا ہے اور پوری حفاظت، سلامتی اور عافیت سے انہیں اُن سے باہر نکالتا ہے، اسی طرح جنوں اور انسانوں میں سے ان کے دشمنوں سے اُن کی حفاظت کرتا ہے، اُن کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے اور ان سے ان کے مکروفریب کا دفاع کرتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُدَٰفِعُ عَنِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟﴾ [الحج:۳۸]۔

یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے۔

یہ اہل ایمان سے دین و دنیا میں تمام ضرر رساں چیزوں کے دفاع میں عام ہے، چنانچہ بندہ کے ایمان کی مقدار و معیار کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کا دفاع کرتا ہے، حدیث رسول میں ہے:

"احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ"(۱)۔

اللہ کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۵۹، حدیث (۲۵۱۶)، ومستدرک حاکم، ۳/۵۴۱، اور فرمایا ہے: "یہ بڑی بلند پایہ حدیث ہے"۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع (حدیث ۷۹۵۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔

یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرکے اُس کے اوامر کی، اور اجتناب کرکے اللہ کے منع کردہ امور کی اور تجاوز نہ کرکے اللہ کے حدود اور پابندیوں کی حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری جان، تمہارے دین، تمہارے مال، تمہاری اولاد اور تمہیں عطا کردہ اپنے تمام تر فضل وانعام میں تمہاری حفاظت فرمائے گا[1]۔

۳۲ اللطیف (باریک بیں)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱللَّهُ لَطِيفٌۢ بِعِبَادِهِۦ يَرۡزُقُ مَن يَشَآءُۖ وَهُوَ ٱلۡقَوِيُّ ٱلۡعَزِيزُ ۝١٩ ﴾[الشوریٰ:۱۹]۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی لطف کرنے والا ہے، جسے چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور وہ بڑی طاقت، بڑے غلبہ والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ لَّا تُدۡرِكُهُ ٱلۡأَبۡصَٰرُ وَهُوَ يُدۡرِكُ ٱلۡأَبۡصَٰرَۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلۡخَبِيرُ ۝١٠٣ ﴾[الانعام:۱۰۳]۔

اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بیں باخبر ہے۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۰-۶۱۔

''اللطیف'' اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے داخلی امور جو اس کی ذات سے متعلق ہیں، اُن پر اور اسی طرح اپنے بندے کے خارجی امور پر باریک نگاہ رکھتا ہے، چنانچہ اُسے اپنے حق میں بھلی چیزوں کی طرف، اور بھلی چیزوں کو اُس کی طرف اس طرح لے جاتا ہے، کہ اُسے اس کا احساس وشعور بھی نہیں ہوتا۔ یہ دراصل اللہ کے علم، کرم اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہے؛ اسی لئے ''اللطیف'' کے معنیٰ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ کہ اللہ تعالیٰ وہ خبر رکھنے والا اور آگاہ ہے جس کا علم تمام پوشیدہ ومخفی امور، رازہائے سربستہ، سینوں کے بھیدوں، ان دیکھی چیزوں اور ہر باریک سے باریک چیز کو محیط ہے۔

دوسری قسم: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے اور چہیتے پر لطف و احسان، جس پر اللہ تعالیٰ اپنا احسان تمام کرنا، اسے اپنی نوازش میں شامل کرنا اور اسے بلند درجات پر فائز کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کے لئے آسانی فراہم کرتا ہے اور اسے دشواری سے بچاتا ہے، اور اسے مختلف آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے، اور وہ اس پر گراں گزرتی ہیں، اور یہی اس کی سراپا بھلائی اور سعادت کی راہ ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ایذارسانی اور اپنی راہ میں جہاد کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو آزمایا ہے، اور جیسے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا ہے، کہ کیسے روز بروز ان کے حالات میں ترقی ہوئی اور اللہ نے ان پر لطف واحسان فرمایا، اور انہیں اللہ کے مقدر کردہ حالات کے نتیجہ میں دنیا وآخرت میں نیک انجام حاصل ہوا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ان کی پسندیدہ چیزوں سے نوازنے کے لئے، ایسی چیزوں کے ذریعہ آزماتا ہے جو انہیں ناپسند ہوتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے کتنے لطف واحسان ہیں، عقلیں جن کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور افکار میں ان کا تصور نہیں ہوسکتا، چنانچہ بندہ کس قدر دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد مثلاً گورنری اور یا سرداری

یا پسندیدہ اسباب میں سے کسی سبب کی طرف کس قدر لپکتا اور اس کی خواہش کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ محض اس پر رحم کرتے ہوئے، اُسے اُس منصب سے پھیر دیتا ہے اور ان منصب کو اس سے پھیر دیتا ہے، تاکہ وہ منصب اسے دنیا میں نقصان نہ پہنچائے، لیکن بندہ اپنی جہالت ونادانی اور اپنے رب کی عدم معرفت کے سبب غمگین اور افسردہ ہو جاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے غیب میں جو کچھ ذخیرہ کر رکھا ہے اور اس سے اس کی اصلاح مقصود ہے، اگر وہ اسے جانتا تو اللہ کی حمد وثنا کرتا اور اُس پر اللہ کا شکر بجالاتا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحم وکرم کرنے والا اور اپنے اولیاء پر از حد لطف واحسان کرنے والا ہے، نبی کریم ﷺ کی دعاء ماثور میں ہے[1]:

''اللَّهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيمَا تُحِبُّ، وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيمَا تُحِبُّ''[2]۔

اے اللہ! تو نے جو مجھے میری پسندیدہ چیزیں عطا کی ہیں انہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کی ادائیگی میں میرے لئے قوت کا ذریعہ بنا دے اور تو نے جو میری پسندیدہ چیزیں مجھ سے روک لی ہیں انہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کی ادائیگی کے لئے میرے لئے فرصت کا ذریعہ بنا دے۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۱-۶۲، نیز دیکھئے: شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۹۱، وتوضیح المقاصد ۲/ ۲۲۸۔

(۲) جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۷۳، حدیث (۳۴۹۱)، اور اسے حسن قرار دیا ہے، اور عبدالقادر الارنؤوط فرماتے ہیں: ''حدیث کا حکم امام ترمذی کے کہنے کے مطابق ہے''۔ دیکھئے: جامع الاصول، ۴/ ۳۴۱، البتہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف الجامع (حدیث ۱۱۷۲) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

٣٣ القَرِيبُ (قریب)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَٱسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّى قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ ﴾ [هود: ٦١]۔

اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی نے اس زمین میں تمہیں بسایا ہے، پس تم اس سے معافی طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ''القریب'' ہے، اور اللہ کی قربت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: عام قربت، یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کا تمام چیزوں کو محیط ہونا، اور اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس طرح یہ عام معیت (ساتھ) کے معنیٰ میں ہے۔

دوسری قسم: خاص قربت، یعنی دعاء کرنے والوں، عبادت گزاروں اور محبت کرنے والوں سے اللہ کی خاص قربت، اور یہ قربت محبت، مدد، حرکات وسکنات میں تائید، دعاء کرنے والوں کی دعاؤں کی قبولیت اور عبادت گزاروں کی عبادت کی قبولیت اور اجرنوازی کی متقاضی ہے[1]۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۴، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۹۲۔

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ﴾ [البقرة:١٨٦]۔

جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں۔

اب جب اس عموم وخصوص کے اعتبار سے قربت کا معنیٰ سمجھ لیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قربت اور اُس کے اپنے عرش کے اوپر موجود ہونے میں، جیسا کہ معلوم ہے، سرے سے کوئی تعارض نہ رہا، چنانچہ اللہ کی ذات پاک ہے جو قریب ہوتے ہوئے بھی بلند ہے، اور بلند ہونے کے باوجود بھی قریب ہے''[1]۔

۳۴ المجیبُ (دعائیں قبول کرنے والا)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ''المجیب'' بھی ہے، یعنی دعا کرنے والوں، سوالیوں اور اللہ کے فرمانبرداروں کی عبادت کو قبول کرنے والا، اور اللہ کی قبولیت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: عام قبولیت، ہر پکارنے اور دعا کرنے والے کی: خواہ دعاء عبادت ہو یا دعاء سوال، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

---

(۱) شرح القصيدة النونية، از ہراس، ۲/ ۹۲، وتوضيح المقاصد، ۲/ ۲۲۹۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡۚ﴾ [غافر:٦٠]۔

اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا ہے) کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔

دعاءِ سوال: یہ ہے کہ بندہ کہے: اے اللہ! مجھے فلاں چیز عطا فرما، یا: اے اللہ مجھ سے فلاں برائی دور فرما، اور یہ چیز نیک و بد دونوں سے صادر ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ حالت کے تقاضہ، اور اپنی حکمت کے تقاضہ کے مطابق ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ بڑا فضل و کرم والا ہے اور اس کا احسان ہر نیک و بد کے لئے عام اور شامل ہے، یہ چیز محض دعا کرنے والے، جس کی دعا قبول ہوئی ہے، کے حسن حال کی دلیل نہیں ہے، جب تک کہ اس کے حسن حال، سچائی اور واقعی اس کے مستحق قبولیت ہونے کا قرینہ موجود نہ ہو، جیسے انبیاء علیہم السلام کے سوال اور اپنی قوموں کے حق میں یا ان کے خلاف دعا کا معاملہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے؛ لہٰذا یہ اُن کی خبروں میں سچائی اور اپنے رب کے یہاں معزز و مکرم ہونے پر دلالت کرتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ بیشتر ایسی دعا فرماتے تھے جس کی قبولیت کا مشاہدہ مسلمان اور دیگر لوگ بھی کیا کرتے تھے، اور یہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ کی صداقت کی نشانیوں میں سے ہے، اسی طرح اللہ کے بہت سے اولیاء کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر جو علماء کرتے ہیں وہ بھی اللہ کے یہاں ان کی عزت و تکریم کی دلیلوں میں سے ہے۔

دوسری قسم: خاص قبولیت۔

خاص قبولیت کے کئی اسباب ہیں، ان میں سے ایک سبب پریشان حال کی دعا ہے، جو کسی مشکل یا بڑی مصیبت میں مبتلا ہو، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا قبول فرماتا ہے، ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ ٱلۡمُضۡطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ ٱلسُّوٓءَ ﴾ [النمل: ۶۲]۔

بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟

اس کی وجہ اللہ کی طرف سخت اظہار محتاجگی، حد درجہ عاجزی وانکساری اور مخلوقات سے انقطاع تعلق ہے، اور اس لئے بھی کہ اللہ کی رحمت کشادہ ہے' جس میں ساری مخلوق اپنی حاجتوں کے مطابق شامل ہے، تو اس کا کیا حال ہوگا جو پریشان حال اور مجبور ہو، اسی طرح قبولیت کے اسباب میں سے طویل سفر، اللہ کے اسماء وصفات اور نعمتوں میں سے اللہ کی طرف محبوب ترین وسیلہ اختیار کرنا، اسی طرح مریض، مظلوم، اور روزہ دار کی دعائیں، اسی طرح اولاد کے لئے والد کی دعا یا بددعا، اسی طرح فضیلت والے اوقات و حالات میں دعائیں کرنا[(۱)]، جیسے نمازوں کے بعد، سحر کے اوقات میں، اذان و اقامت کے درمیان، اذان کے وقت، بارش اترتے ہوئے، گھمسان کی جنگ ہوتے ہوئے، وغیرہ[(۲)]۔

ارشاد باری ہے:

﴿ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٞ مُّجِيبٞ ۝٦١ ﴾ [ھود: ۶۱]۔

بیشک میرا رب قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۵-۶۶، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۹۳۔

(۲) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۴۹-۹۳، وتوضیح المقاصد وتصحیح القواعد، ۲/ ۲۲۹۔

۳۵ اَلْوَدُوْدُ (خالص محبت کرنے والا محبوب)

ارشاد باری ہے:

﴿وَٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّى رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝٩٠﴾ [ھود: ۹۰]۔

تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلْوَدُودُ ۝١٤﴾ [البروج: ۱۴]۔

وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

''الودود'' وُدّ (واوَ پر پیش) سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ خالص محبت کے ہیں، چنانچہ ''الودود'' بمعنیٰ'' وادّ مودود'' محبت کرنے والے محبوب کے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء، فرشتوں اور مومن بندوں سے محبت کرنے والا ہے، اور اُن کے یہاں محبوب اور پیارا بھی ہے، بلکہ ان کے نزدیک اللہ سے پیارا کوئی نہیں، اور کوئی بھی محبت اللہ کی اپنے برگزیدوں سے محبت کی برابری نہیں کرسکتی: نہ اصل محبت میں، نہ کیفیت میں اور نہ ہی اس سے متعلقہ امور میں، اور یہی فرض اور واجب بھی ہے کہ بندے کے دل میں اللہ کی محبت ہر محبت سے بڑھ کر اور ہر محبت پر غالب ہو، اور تمام محبتیں یقینی طور پر اللہ کی محبت کے تابع اور ماتحت ہوں۔

اور اللہ کی محبت اعمال کی روح ہے، اور تمام ظاہری و باطنی عبادتیں اللہ کی محبت سے وجود پذیر ہوتی ہیں۔

اور بندے کا اپنے رب سے محبت کرنا اللہ کا خاص فضل و احسان ہے، اس میں بندے کی کوئی قوت و تصرف نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے بندے سے محبت کی اور اُس کے دل میں محبت ڈالی، اور پھر جب اللہ کی توفیق سے بندہ اللہ سے محبت کرنے لگا تو اللہ نے بدلے میں ایک دوسری محبت سے نوازا، لہٰذا یہ درحقیقت اللہ کا خالص احسان ہے، کیونکہ سبب اور مسبب دونوں اللہ ہی کی جانب سے ہے، اس سے معاوضہ (باہمی بدلہ) مقصود نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ اللہ کی طرف سے اپنے شکرگذار بندوں اور ان کے شکریہ سے محبت ہے، لہٰذا ساری مصلحت بندے ہی کی طرف لوٹتی ہے، بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جس نے مومنوں کے دلوں میں محبت ودیعت فرمائی، اور مسلسل اسے بڑھاتا اور پختہ کرتا رہا یہاں تک کہ محبت برگزیدوں کے دلوں میں اس حالت تک جا پہنچی جہاں ساری محبتیں ماند ہوگئیں، جس نے انہیں احباب سے بے پروا کر دیا، ان پر مصیبتوں کو آسان کر دیا، ان کے لئے نیکیوں کی مشقت کو لذیذ تر بنا دیا اور ان کے لئے قسم قسم کی تکریم اور عزت افزائی فراہم کر دیا جن میں سب سے اونچی تکریم اللہ کی محبت، اس کی رضامندی سے کامرانی اور اس کی قربت سے انسیت ہے۔

چنانچہ بندے کی اپنے رب سے محبت اپنے رب کی طرف سے دو محبتوں سے گھری ہوئی ہے: ایک اس سے پہلے کی محبت جس کے ذریعہ وہ اپنے رب سے محبت کرنے والا ہوا، اور ایک اس کے بعد کی محبت اللہ کی طرف سے اس محبت کی قدردانی کے طور پر جس کے ذریعہ وہ اللہ کے برگزیدہ اور مخلص بندوں میں شامل ہوا۔

اور سب سے عظیم سبب جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کی محبت جو سب سے عظیم مطلوب ہے، حاصل کرسکتا ہے وہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنا، اس کی حمد وثنا کرنا، اللہ کی طرف بکثرت رجوع کرنا، اس پر پختہ بھروسہ رکھنا، فرائض ونوافل کے ذریعہ اللہ کی قربت حاصل کرنا، اقوال وافعال میں سچا مخلص ہونا اور ظاہری وباطنی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا ہے[1]،

جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ﴾ [آل عمران: ۳۱]۔

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔

۳۶ الشّاکر ۳۷ الشّکور (قدرداں)

ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ ٱللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝١٥٨﴾ [البقرۃ: ۱۵۸]۔

اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدر دان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِن تُقْرِضُوا ٱللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَٱللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝١٧﴾ [التغابن: ۱۷]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین ص ۶۹-۷۰، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۹۶، وتوضیح المقاصد ۲/ ۲۳۰۔

اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے (یعنی اس کی راہ میں خرچ کرو گے) تو وہ اسے تمہارے لیے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ اللہ بڑا قدر دان بڑا بردبار ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾﴾ [النساء:۱۴۷]۔

اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا پورا علم رکھنے والا ہے۔

اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ''الشاکر'' اور ''الشکور'' بھی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رخ کریم کے لئے عمل کرنے والوں کی محنت رائیگاں نہیں کرتا، بلکہ اسے خوب گنا در گنا کرتا ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا، اور اللہ نے اپنی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت میں نیکیوں کے گنا در گنا کرنے کی خبر دی ہے، کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھایا جائے گا، چنانچہ اللہ واسطے جد و جہد کرنے والے اللہ کی آنکھوں کے سامنے جد و جہد کرتے ہیں، اور جو اللہ واسطے کوئی نیکی انجام دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب بڑھا کر عطا کرتا ہے، اور جو کسی چیز کو اللہ واسطے چھوڑ دیتا ہے اللہ اسے اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے، اللہ ہی نے مومنوں کو اپنی کی توفیق بخشی ہے پھر اس پر ان کی قدر دانی کی ہے اور انہیں ایسی عزت افزائیوں سے نوازا ہے، جسے کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فرد بشر کے دل میں اس کا کھٹکا گزرا، اور یہ تمام چیزیں اللہ پر واجبی حق نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بطور جود و کرم خود ہی اپنی ذات پر واجب کرلیا ہے [1]۔

اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی نہیں جو اس پر کسی چیز کو واجب ٹھہرائے، ارشاد باری ہے:

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۷۰۔

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ ۝٢٣﴾ [الانبياء: ۲۳]۔

وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اطاعت گزار کو ثواب دینا واجب ہے نہ گنہ گار کو سزا دینا، بلکہ ثواب اللہ کا خالص فضل واحسان ہے، اور سزا اللہ کا خالص عدل وحکمت ہے؛ البتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود اپنی ذات پر اپنی مشیت سے جو چاہتا ہے واجب کر لیتا ہے اور وہ اللہ کے وعدہ کے مطابق جس کی وہ خلاف ورزی نہیں کرتا' اُس پر واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ أَنَّهُۥ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهَٰلَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُۥ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥٤﴾ [الانعام: ۵۴]۔

تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے کہ جو شخص تم میں سے برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ (کی یہ شان ہے کہ وہ) بڑی مغفرت کرنے والا ہے بڑی رحمت والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝٤٧﴾ [الروم: ۴۷]۔

اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بندوں کا اللہ پر کوئی حق واجب نہیں ہے، جو بھی حق ہے اللہ نے خود ہی اپنے اوپر لاگو اور واجب کیا ہے، اسی لئے اخلاص اور اتباع رسول ﷺ پر قائم کوئی بھی عمل اللہ کے یہاں ضائع نہیں ہوتا، کیونکہ یہ دونوں اعمال کی قبولیت کی بنیادی

شرطیں ہیں [۱]۔

لہٰذا بندوں کو جو بھی نعمتیں ملتی اور پریشانیاں ٹلتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے ہوتی ہیں، اگر اللہ بندوں کو نعمت سے نوازتا ہے تو اپنے فضل واحسان سے، اور اگر عذاب دیتا ہے تو اپنے عدل وحکمت سے اور اللہ عزوجل ان تمام چیزوں پر حمد وثنا کا مستحق ہے [۲]۔

۳۸ اَلسَّیِّدُ (سردار، آقا)

۳۹ اَلصَّمَدُ (بے نیاز، مرجع خلائق)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝١ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝٢﴾ [الاخلاص:۱-۲]۔

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"السَّيِّدُ اللَّهُ تَبارَكَ وَتَعالَى" [۳]۔

سردار تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

"السید" کا اطلاق رب، مالک، شریف، فاضل، کریم، بردبار، رئیس، شوہر اور اپنی قوم کی

---

(۱) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۹۸، نیز دیکھئے: توضیح المقاصد وتصحیح القواعد، ۲/ ۲۳۱۔

(۲) الحق الواضح المبین، ص ۷۲۔

(۳) سنن ابو داود، کتاب الادب، باب فی کراہیۃ التمادح، حدیث (۴۸۰۶)، وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، حدیث (۳۸۷)، وعمل الیوم واللیلۃ للنسائی، حدیث (۲۴۵)، ومسند احمد، ۴/ ۲۴، ۲۵، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع (حدیث ۳۷۰۰) میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے، نیز دیکھئے: فتح المجید ص ۶۱۳، بتحقیق الارنؤوط۔

اذیت برداشت کرنے والے پر ہوتا ہے، اور حقیقی سید (سردار) تو اللہ تعالیٰ ہے جو مخلوق کی پیشانیوں کا مالک اور ان کی دیکھ ریکھ کرنے والا ہے، لہٰذا سرداری مکمل طور پر درحقیقت اللہ ہی کے لئے ہے اور ساری مخلوق اس کی غلام ہے۔

لیکن یہ انسانی افراد کے ساتھ مخصوص اضافی سرداری کے منافی نہیں ہے، کیونکہ خالق تبارک وتعالیٰ کی سرداری کمزور مخلوق کی سرداری کی طرح نہیں ہے (۱)۔

''الصمد'' ایک ایسا جامع معنیٰ ہے جس میں اس معزز نام کی تفسیر میں کہی گئی تمام باتیں داخل ہیں، چنانچہ وہ ایسا الصمد (مرجع) ہے جس کی طرف ذلت، فقیری اور محتاجگی کے ساتھ تمام مخلوقات قصد کرتے ہیں، اور ساری دنیا جس کی پناہ لیتی ہے، وہ اللہ کی ذات ہے جو اپنے علم، حکمت، بردباری، قدرت، بڑائی، رحمت اور تمام خوبیوں میں کامل و مکمل ہو، لہٰذا صمد وہ ہے جو کامل خوبیوں والا ہے، ساری مخلوقات تمام ضروریات میں جس کا قصد وارادہ کرتی ہے (۲)۔

اللہ وہ سردار ہے جو اپنی سرداری میں کامل ہے، وہ علم والا ہے جو اپنے علم میں کامل ہے، وہ بردبار ہے جو اپنی بردباری میں کامل ہے، وہ غنی اور بے نیاز ہے جو اپنی مالداری میں کامل ہے، وہ جبار ہے جو اپنے جبروت میں کامل ہے، وہ شریف اور معزز ہے جو اپنی شرافت میں کامل ہے، وہ عظیم ہے جو اپنی عظمت و بڑائی میں کامل ہے، وہ حکیم و دانا ہے جو اپنی دانائی میں کامل ہے، وہی وہ ذات ہے جو تمام قسم کی بزرگی وسرداری میں کامل ہے، جس کی یہ خوبی ہے وہ اللہ کی ذات ہے اس کے سوا کسی کے لئے یہ خوبی سزاوار نہیں، اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کے ہم مثل کوئی چیز، اللہ کی ذات پاک ہے جو تنہا غالب ہے (۳)۔

---

(۱) النھایۃ فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر، ۲/ ۴۱۸، نیز دیکھئے: عون المعبود شرح سنن ابوداود، ۱۳/ ۱۶۱۔

(۲) الحق الواضح المبین، ص ۷۵۔

(۳) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۰، وتوضیح المقاصد وتصحیح القواعد، ۲/ ۲۳۲۔

۴۰ القاھر (غالب، بلند)

۴۱ القھار (حد درجہ غالب، بلند)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ ٱللَّهُ خَٰلِقُ كُلِّ شَيۡءٖ وَهُوَ ٱلۡوَٰحِدُ ٱلۡقَهَّٰرُ ١٦﴾ [الرعد:۱۶]۔

کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَوۡمَ هُم بَٰرِزُونَۖ لَا يَخۡفَىٰ عَلَى ٱللَّهِ مِنۡهُمۡ شَيۡءٞۚ لِّمَنِ ٱلۡمُلۡكُ ٱلۡيَوۡمَۖ لِلَّهِ ٱلۡوَٰحِدِ ٱلۡقَهَّارِ ١٦﴾ [غافر:۱۶]۔

جس دن سب لوگ اہر ہو جائیں گے، ان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ آج کس کی بادشاہی ہے؟ فقط اللہ واحد وقہار کی۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ ٱلۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهِۦۚ وَهُوَ ٱلۡحَكِيمُ ٱلۡخَبِيرُ ١٨﴾ [الانعام:۱۸]۔

اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے۔

یہ اللہ کی ذات ہے جو تمام مخلوقات پر غالب ہے، اور تمام مخلوقات اس کے سامنے ذلیل و پست ہیں، اور عالم و بالا و سفلی کے تمام اجزاء وعناصر اس کی قدرت و مشیت کے تابع ہیں، لہٰذا اللہ کے حکم کے بغیر کسی وجود پانے والی چیز کا وجود ہو سکتا ہے نہ کوئی ٹھہرنے والی چیز ٹھہر سکتی ہے، وہی جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، تمام مخلوقات اللہ کے محتاج اور عاجز و درماندہ ہیں، اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع، یا نقصان، خیر یا شر کے مالک نہیں ہیں، اور اللہ کا قہر وغلبہ اللہ کی زندگی، عزت اور قدرت تمام صفات کو لازم ہے، اس لئے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا مکمل قہر وغلبہ اُس کی کمال زندگی، کمال قوت وعزت اور کمال اقتدار کے بغیر نہیں ہو سکتا(۱)۔

کیونکہ اگر یہ تینوں اوصاف نہ ہوتے تو اللہ کا غلبہ وسلطنت تمام نہ ہوتا(۲)۔

۴۲ الجَبَّار (زورآور، بلند، تلافی کرنے والا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡمَلِكُ ٱلۡقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ٱلۡمُؤۡمِنُ ٱلۡمُهَيۡمِنُ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡجَبَّارُ﴾ [الحشر: ۲۳]۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زورآور۔

(۱) الحق الواضح المبین ص ۷۶۔

(۲) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/۱۰۱۔

اللہ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ''الجبار'' کے تین معانی ہیں جو اللہ کے نام الجبار میں داخل ہیں:

۱۔ پہلا معنیٰ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کمزور اور اللہ واسطے ہر منکسر دل کی تلافی کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ٹوٹے کی تلافی کرتا ہے، فقیر کو مالداری دیتا ہے، تنگدست کی ہر تنگی کو آسان کرتا ہے، اور صبر و ثابت قدمی کی توفیق دے کر مصیبت زدہ کی غمخواری کرتا ہے، اور اگر وہ اپنی ذمہ داری نبھائے تو اُسے اپنی مصیبت کے عوض عظیم ترین اجر سے نوازتا ہے، اور اپنی عظمت وجلال کے سامنے جھکنے والوں نیز محبت کرنے والوں کے دلوں کی خاص تلافی فرماتا ہے، بایں طور کہ انہیں قسم قسم کی عزت افزائیوں اور مختلف ایمانی علوم و معارف اور احوال سے نوازتا ہے، چنانچہ اللہ واسطے انکساری کرنے والوں کے دلوں کی تلافی بہت قریب ہوتی ہے، اور جب دعا کرنے والا اپنی دعا میں: ''**اللَّهُمَّ اجْبُرْنِي**'' (اے اللہ! میری تلافی کردے، بھرپائی کردے) کہتا ہے تو اس کا مقصد یہی تلافی ہوتا ہے جس کی حقیقت بندے کی اصلاح اور اس سے تمام ناپسندیدہ امور کا ازالہ ہے۔

۲۔ دوسرا معنیٰ: یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کے تابع اور اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔

۳۔ تیسرا معنیٰ: یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر بلند ہے۔

اس طرح ''الجبار'' الرؤوف، القہار اور العلیّ تینوں اسماء کے معانی کو شامل ہے۔

۴۔ ایک چوتھا معنیٰ بھی مراد ہوسکتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر برائی، عیب و نقص، کسی کے ہم مثل ہونے، نیز اپنے کسی ہمسر، یا ضد، یا ہم نام، یا حقوق و خصوصیات میں ساجھی و شریک سے برتر اور بڑائی والا ہے[۱]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص۷۷، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۲، وتوضیح المقاصد، ۲/ ۲۳۳۔

﴿٤٣﴾ الحَسِيبُ (کافی، حساب لینے والا)

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ حَسِيبًا ۝٦﴾ [النساء:٦]۔

اور دراصل حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿أَلَا لَهُ ٱلْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ ٱلْحَٰسِبِينَ ۝٦٢﴾ [الانعام:٦٢]۔

خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔

اور ''الحسیب'' کے درج ذیل معانی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے اُن کے تمام دینی اور دنیوی امور میں کافی ہے، خواہ نفع بخش چیزوں کا حصول ہو یا نقصان دہ چیزوں کا دفعیہ۔

۲۔ سب سے خاص معنیٰ کے اعتبار سے الحسیب کا معنیٰ اللہ کا اپنے متقی اور توکل کرنے والے بندے کے لئے کافی ہونا ہے، ایسی خصوصی کفایت جس سے اس کے دین و دنیا کی اصلاح وسدھار ہو جائے۔

۳۔ نیز الحسیب وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے اچھے بُرے اعمال کو محفوظ کر رہی ہے اور ان کا حساب وکتاب لے گی، اگر نیکی ہوگی تو نیک بدلہ اور بدی ہوگی تو بُرا بدلہ ملے گا، اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسۡبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٦٤﴾ [الانفال: ۶۴]۔

اے نبی! تجھے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کر رہے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے اسی قدر کافی ہوتا ہے جتنا وہ ظاہری و باطنی طور پر رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت و بندگی سرانجام دیتا ہے[1]۔

۴۴ الهادي (رہنمائی کرنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيٗا وَنَصِيرٗا ٣١﴾ [الفرقان: ۳۱]۔

اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ ٱللَّهَ لَهَادِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ٥٤﴾ [الحج: ۵۴]۔

یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان داروں کو راہ راست کی طرف رہبری کرنے والا ہی ہے۔

''الھادی'' یعنی اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کو تمام منافع کی، اور نقصانات سے دفع کی

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۷۸، وشرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۳۔

ہدایت ورہنمائی فرماتا ہے، جو کچھ وہ نہیں جانتے ہیں انہیں اس کی تعلیم دیتا ہے، اور انہیں ہدایت توفیق و درستگی کی راہ دکھاتا ہے، ان کے دلوں میں تقویٰ پیدا کرتا ہے اور ان کے دلوں کو اپنی طرف رجوع کرنے والا اور اپنے حکم کا تابع بناتا ہے [۱]۔

ہدایت: نرمی کے ساتھ رہنمائی کو کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی انسان کو ہدایت دینے کی چار صورتیں ہیں [۲]:

اول: عام ہدایت جس کی جنس میں ہر مکلف (پابند شریعت) شامل ہے، جیسے، عقل، ذہانت، اور دیگر ضروری معلومات جس میں سے ہر چیز کو اس کی حیثیت کے مطابق ایک اندازہ سے عطا فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿رَبُّنَا ٱلَّذِىٓ أَعۡطَىٰ كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهُۥ ثُمَّ هَدَىٰ ۝٥٠﴾ [طٰہٰ: ۵۰]۔

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھادی۔

دوم: وہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے نبیوں کی زبانی اور قرآن کریم کے انزال کے ذریعہ اُنہیں بلا کر دی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل فرمان سے یہی مقصود ہے:

﴿وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ أَئِمَّةً يَهۡدُونَ بِأَمۡرِنَا﴾ [السجدة: ۲۴]۔

ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔

سوم: وہ ہدایت جو ہدایت یافتگان کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، ۵/ ۶۳۱۔

(۲) بدائع الفوائد، ۲/ ۳۶-۳۸۔

﴿وَٱلَّذِينَ ٱهۡتَدَوۡاْ زَادَهُمۡ هُدٗى﴾ [محمد:١٧]۔

اور جولوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ نے انہیں ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے۔

نیز اس فرمان سے بھی:

﴿وَمَن يُؤۡمِنۢ بِٱللَّهِ يَهۡدِ قَلۡبَهُۥۚ﴾ [التغابن:١١]۔

جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔

نیز اس فرمان سے بھی:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ يَهۡدِيهِمۡ رَبُّهُم بِإِيمَٰنِهِمۡۖ﴾ [یونس:٩]۔

یقیناً جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کے سبب ان کے مقصد تک پہنچا دے گا۔

نیز اس فرمان سے بھی:

﴿وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ٦٩﴾ [العنکبوت:٦٩]۔

اور جولوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔

چہارم: آخرت میں جنت کی رہنمائی، جو اللہ کے اس فرمان سے مقصود ہے:

﴿سَيَهۡدِيهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ٥﴾ [محمد:٥]۔

انہیں راہ دکھائے گا اور ان کے حالات کی اصلاح کر دے گا۔

نیز اس فرمان سے بھی:

﴿ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِي هَدَىٰنَا لِهَٰذَا﴾ [الاعراف: ۴۳]۔

اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا۔

اور یہ چاروں ہدایتیں بالترتیب (یکے بعد دیگرے) ہیں، چنانچہ جسے پہلی ہدایت نہیں ملے گی، اُسے دوسری بھی نہ مل سکے گی، بلکہ اس کا مکلف (پابند شریعت) ہونا ہی درست نہ ہوگا، اسی طرح جسے دوسری ہدایت نہیں ملے گی اُسے تیسری اور چوتھی بھی نہ مل سکے گی، اور جسے چوتھی ہدایت مل گئی، اُسے پہلی تینوں ہدایتیں مل گئیں، اور جسے تیسری مل گئی اُسے اس سے پہلے کی دونوں ہدایتیں مل گئیں۔ پھر اسی طرح اس کے برعکس کبھی پہلی ہدایت ملے گی دوسری نہیں ملے گی، تیسری نہیں ملے گی، اور کسی کو ہدایت دینا انسان کے بس میں نہیں، سوائے دعاء اور راستوں کی پہچان کرانے کے، برخلاف بقیہ ہدایات کی قسموں کے، پہلی قسم کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَتَهۡدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ۝٥٢﴾ [الشوریٰ: ۵۲]۔

بیشک آپ راہ راست کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿يَهۡدُونَ بِأَمۡرِنَا﴾ السجدۃ: ۲۴]۔

جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ۝٧﴾ [الرعد: ۷]۔

اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔

یعنی داعی (دعوت دینے والا) ہے۔

جبکہ دیگر ہدایات کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ﴾ [القصص:۵۶](۱)۔

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ کی ساری باتیں ہدایت ہیں، اس کے تمام افعال ہدایت ہیں، اللہ تعالیٰ بھٹکے ہوئے حیران کی رہنمائی کرنے والا ہے، لہٰذا اُسے وضاحت، تعلیم اور توفیق ہر اعتبار سے صراط مستقیم کی رہنمائی فرماتا ہے، اللہ کی تمام تر تقدیری باتیں جن کے ذریعہ وہ چیزوں کو وجود میں لاتا ہے اور معاملات کی تدبیر و انتظام کرتا ہے' حق ہیں' کیونکہ وہ حکمت و دانائی، حسن وخوبی اور پختگی پر مشتمل ہیں، اسی طرح اللہ کے شرعی دینی اقوال وہ ہیں جن کے ذریعہ اللہ نے اپنی کتابوں میں اور اپنے رسولوں کی زبانی کلام فرمایا ہے' جو خبر دینے میں مکمل سچائی اور حکم وممانعت میں مکمل عدل و انصاف پر مشتمل ہیں، کیونکہ اللہ سے بڑھ کر کوئی راست گو ہے' نہ اس سے عمدہ گفتگو کرنے والا، ارشاد باری ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ [الانعام:۱۱۵]۔

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔

یعنی امر و نہی میں، اور یہ کلمات بندوں کی ہدایت و رہنمائی کا عظیم ترین اور نہایت جلیل القدر ذریعہ ہیں، بلکہ ان کے بغیر ہدایت کا حصول ممکن ہی نہیں، لہٰذا جو ان کے علاوہ سے ہدایت تلاش کرے گا اللہ اُسے گمراہ کر دے گا، اور جو ان سے رہنمائی حاصل نہیں کرے گا وہ ہدایت یاب نہیں ہے، کیونکہ ان سے علمی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، یعنی حقائق، اصول، فروع،

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن للاصفہانی ص ۵۳۸۔

اور دینی و دنیوی فوائد اور نقصانات، اور عملی رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے؛ کیونکہ یہ کلمات نفسوں کو پاک کرتے اور دلوں کو نکھارتے ہیں اور حد درجہ نیک اعمال اور نہایت عمدہ اخلاق کی دعوت دیتے ہیں، اور ہر اچھائی پر آمادہ کرتے اور ہر بری اور گھٹیا چیز سے ڈراتے اور آگاہ کرتے ہیں، لہٰذا جو ان سے رہنمائی حاصل کرے گا وہی ہدایت یاب ہے، اور جو ان سے رہنمائی حاصل نہ کرے وہ گمراہ ہے، اور اللہ نے رسولوں کو بھیجنے اور مطلق ہدایت پر مشتمل اپنی کتابوں کے اتارنے کے بعد کسی کے لئے حجت باقی نہ رکھی ہے، چنانچہ اللہ نے کتنے گمراہوں کو اپنی ہدایت دی ہے اور کتنے حیرانوں کی رہنمائی کی ہے، بالخصوص جس نے اللہ سے لو لگائی ہو، اور اس سے دل کی گیرائی سے ہدایت مانگی ہو اور جانتا ہو کہ ہدایت صرف اللہ ہی کے بس میں ہے[1]۔

اور جہاں کہیں بھی اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ ظالموں اور کافروں کو ہدایت نہیں دے گا وہ: تیسری ہدایت ہے (یعنی توفیق و الہام کی ہدایت) جو ہدایت یافتگان کے ساتھ خاص ہے، اور چوتھی ہدایت ہے یعنی آخرت میں ثواب اور جنت میں داخل کرنا، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٥٨﴾﴾ [البقرة:۲۵۸]۔

اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ ٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا عَلَى ٱلْءَاخِرَةِ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿١٠٧﴾﴾ [النحل:۱۰۷]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۷۸-۷۹، نیز دیکھئے: شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۳۔

یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

اور ہر وہ ہدایت جس کی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور دیگر انسانوں سے نفی فرمائی ہے وہ خاص ہدایت یعنی دعاء کرنے اور راستہ کی پہچان کرانے کے علاوہ ہے، جیسے عقل دینا، توفیق دینا، اور جنت میں داخل کرنا وغیرہ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَّيْسَ عَلَيْكَ هُدَىٰهُمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ ۗ﴾ [البقرۃ:۲۷۲]۔

انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

لہٰذا میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ ہمیں اپنی محبوب اور پسندیدہ باتوں کی رہنمائی فرمائے، وہی مدد مانگے جانے کے لائق ہے، اسی پر بھروسہ ہے اور اللہ کے بغیر کوئی قوت وتصرف نہیں[۱]۔

۴۵ الحَکَمُ (فیصلہ کرنے والا)

ارشاد باری ہے:

﴿فَٱصْبِرُوا۟ حَتَّىٰ يَحْكُمَ ٱللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ ۝٨٧﴾ [الاعراف:۸۷]۔

(۱) المفردات فی غریب القرآن للاصفہانی ص ۵۳۹، معمولی تصرف کے ساتھ۔

تو ذرا ٹھہر جاؤ! یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ فیصلہ کئے دیتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ﴾

[الانعام:۱۱۵]۔

آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ [النحل:۹۰]۔

اللہ تعالیٰ عدل کا اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ“(۱)۔

اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرنے والا ہے اور فیصلہ کا مرجع وہی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ

(۱) سنن ابو داود، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح، حدیث (۴۹۵۵)، وسنن نسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب إذا حکموا رجلاً فقضی بینھم، حدیث (۵۳۸۴)، ومستدرک حاکم، ۱/ ۲۳، والمعجم الکبیر للطبرانی، ۲۲/ ۱۷۹، ۱۸۰، حدیث (۴۶۶، ۴۷۰)، وابن حبان (جیسا کہ موارد الظمآن میں ہے) ۶/ ۲۱۴، حدیث (۱۹۳۷)، اور اس کی سند جید ہے۔ دیکھئے: فتح المجید بشرح کتاب التوحید لابن عبدالوھاب، بتحقیق عبدالقادر الارنؤوط، ص ۵۱۷۔ اور علامہ البانی نے اسے صحیح الجامع (حدیث ۱۸۴۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

ٱلۡكِتَٰبَ مُفَصَّلٗاۚ وَٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَعۡلَمُونَ أَنَّهُۥ مُنَزَّلٞ مِّن رَّبِّكَ بِٱلۡحَقِّۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡمُمۡتَرِينَ ﴿١١٤﴾

[الانعام:۱۱۴]۔

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے، اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اپنے بندوں کے درمیان دنیا میں اپنے عدل وانصاف سے فیصلہ فرماتا ہے اور آخرت میں بھی فرمائے گا، چنانچہ وہ ایک ذرہ بھی ظلم نہیں کرتا ہے نہ کرے گا، نہ کسی پر کسی دوسرے کا بوجھ ڈالے گا، نہ ہی بندے کو اس کے گناہ سے زیادہ سزا دے گا، حق داروں کو ان کا حق ادا کردے گا، کسی حقدار کو حق پہنچائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ وہ اپنی تدبیر وانتظام اور تقدیر ونوشت میں سراپا عدل ہے[1]، اللہ سبحانہ کی ذات اپنے فعل میں بھی عدل کی صفت سے متصف ہے، اس کے سارے افعال عدل واستقامت کی سنتوں پر جاری ہیں، ان میں سرے سے کسی ظلم وزیادتی کا شائبہ تک نہیں ہے، بلکہ تمام افعال اللہ کے فضل ورحمت اور عدل وحکمت کے درمیان ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ گنہ گاروں اور رجھٹلانے والوں پر دنیا میں جو مختلف قسم کی ہلاکت ورسوائی اتارتا ہے، اور آخرت میں ان کے لئے جو رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے، وہ دراصل

(۱) تفسیر علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی، ۵/ ۶۲۷۔

اللہ تعالیٰ کا وہ کام ہے جس کے وہ مستحق ہیں، کیونکہ وہ گناہ کے بغیر کسی کو نہیں پکڑتا، نہ ہی حجت قائم کئے بغیر کسی کو عذاب دیتا ہے، اور اس کے تمام اقوال وفرمودات بھی سراپا عدل ہیں، چنانچہ وہ بندوں کو اسی بات کا حکم دیتا ہے جس میں خالص مصلحت ہو یا جس میں مصلحت غالب ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنا اور اُن کے اعمال تولنا بھی عدل وانصاف ہے اس میں کوئی ظلم وجور نہیں ہے[1]، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ﴿٤٧﴾﴾ [الانبیاء: ۴۷]۔

قیامت کے دن ہم درمیان میں لارکھیں گے ٹھیک تولنے والی ترازو کو، پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا، اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے وصف، فعل، قول اور فیصلہ میں عدل وانصاف سے ''فیصلہ کرنے والا'' ہے۔ اور فرمان باری تعالیٰ کا یہی معنیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبِّى عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾﴾ [ھود: ۵۶]۔

یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے۔

کیونکہ اُس کے اقوال وفرمودات سچے ہیں ہیں، اور اس کے افعال عدل وانصاف اور فضل واحسان کے درمیان جاری ہیں، لہٰذا وہ نہایت نیک افعال ہیں، اور اپنے بندوں کے اختلافی معاملات میں اللہ کا فیصلہ سراپا عادلانہ فیصلہ ہے ان میں کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں، اور

(۱) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۴۔

یہی معاملہ بدلہ، اور ثواب وعذاب کا بھی ہے[۱]۔

۴۶ القُدُّوسُ (نہایت پاک)

۴۷ السَّلَامُ (ہر قسم کے عیوب سے سلامت)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ﴾

[الحشر: ۲۳]۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف۔

''القدوس السلام'' ان دونوں کا معنیٰ قریب قریب ہے؛ کیونکہ ''القدوس'' قدّس سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ یہ ہے کہ تعظیم وبزرگی بجالانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو برائی سے منزہ اور پاک کیا، اور ''السلام'' سلامتی سے ماخوذ ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کی مثلیت ومشابہت، نقص وعیب اور اپنے کمال کے منافی تمام چیزوں سے سلامت اور محفوظ ہے[۲]۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر برائی سے بالکل پاک، عظمت وبڑائی والا اور منزہ ہے، اپنی مخلوق میں

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۸۰۔

(۲) شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۵۔

کسی کی مثلیت سے، نقص وعیب سے اور اپنے کمال کے منافی ہر چیز سے سلامت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو منزہ اور پاک کئے جانے کا یہی ضابطہ ہے: کہ اللہ کو تمام وجوہ سے ہر نقص وعیب سے پاک کیا جائے، نیز اس کا کوئی ہم مثل، یا شبیہ، یا ہمسر، یا ہم نام، یا شریک یا معارض ہونے سے' اُسے پاکیزہ اور عظیم تر قرار دیا جائے، اسی طرح اُس کی صفات میں سے کسی صفت میں نقص وعیب سے اسے پاک کیا جائے' جوکہ سب سے اکمل، سب سے عظیم تر اور سب سے وسیع تر ہیں۔

اسی طرح نقص وعیب سے اللہ کی پاکی اور تقدیس کا حصہ یہ بھی ہے کہ اُس کے لئے عظمت وبڑائی کی خوبیاں ثابت کی جائیں؛ کیونکہ تنزیہ مقصود لغیرہ ہے' اس کے ذریعہ بدگمانیوں سے اللہ کے کمال کی حفاظت مقصود ہے۔ جیساکہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اللہ کے بارے میں بدگمانی رکھتے تھے' ایسا گمان جو اللہ کی جلال وعظمت کے شایان شان نہیں، اس لئے جب بندہ اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے کہے گا: ''سبحان اللہ'' (اللہ پاک ہے)، یا ''تقدس اللہ'' (اللہ تعالیٰ بے عیب ہے)، یا ''تعالیٰ اللہ'' (اللہ بلند وبرتر ہے)، وغیرہ تو اللہ تعالیٰ کو ہر نقص سے پاک کرکے اور اُس کے لئے ہر کمال کو ثابت کرکے اُس کی حمد وثنا کرنے والا ہوگا[1]۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ کے نام ''السلام'' کے بارے میں رقمطراز ہیں:

دیگر تمام اشخاص کے برخلاف اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس نام کا سب سے زیادہ حقدار ہے؛ کیونکہ اللہ عزوجل تمام وجوہ سے ہر نقص وعیب سے پاک ہے، لہٰذا ہر اعتبار سے حقیقی سلام وہی ہے، جبکہ مخلوق نسبی سلام ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر وہم وگمان میں آنے والے

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۸۱-۸۲۔

ہر نقص وعیب سے سلام یعنی محفوظ ہے، صفاتی طور پر ہر نقص وعیب سے پاک ہے، افعال کے اعتبار سے ہر نقص، عیب، شر، ظلم اور خلاف حکمت انجام پانے والے کام سے مبرا اور پاک ہے، بلکہ ہر اعتبار وحیثیت سے وہی حقیقی سلام ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پورے طور پر اور ہر اطلاق کے ساتھ اس نام کا مستحق ہے، اور در حقیقت یہی وہ پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے اور اس کے رسول ﷺ نے اُس کے لئے فرمائی ہے، چنانچہ وہ بیوی بچوں سے سلام ہے، نظیر، ہمسر، ہمنام، اور ہم مثل سے سلام ہے، شریک سے سلام ہے؛ اور اسی لئے جب آپ اللہ کے صفات کمال کو الگ الگ دیکھیں گے تو ہر صفت کو اُس کے کمال کی ضد سے سلامت اور محفوظ پائیں گے:

چنانچہ اس کی زندگی موت، اونگھ اور نیند سے سلام ہے، اسی طرح اس کی قیومیت اور قدرت تکان سے سلام ہے، اس کا علم کسی چیز کے پوشیدہ ہونے، یا بھول چوک، یا سوچنے یاد کرنے کی حاجت سے سلام ہے، اس کا ارادہ حکمت و مصلحت سے خارج ہونے سے سلام ہے، اس کی باتیں جھوٹ اور ظلم سے سلام ہیں، بلکہ اس کی باتیں سچائی اور عدل سے پر ہیں، اس کی بے نیازی کسی بھی طرح دوسرے کی محتاجگی سے سلام ہے، بلکہ اللہ کے سوا سب اللہ کے محتاج ہیں اور وہ اپنے سوا سب سے بے نیاز ہے، اس کی بادشاہت اُس میں کسی جھگڑنے والے، یا شریک، یا معاون و مددگار، یا اس کی اجازت کے بغیر کسی سفارشی سے سلام ہے، اس کی الوہیت اُس میں کسی شریک وساجھی سے سلام ہے، بلکہ وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی حقیقی عبادت کے لائق نہیں، اس کی بردباری، عفو و درگزر، مغفرت اور نظر اندازی اس بات سے سلام ہیں کہ اسے ان چیزوں کی کوئی حاجت ہو، یا کمزوری ہو، یا کوئی رواداری یا بے جا نرمی ہو، جیسے اللہ کے علاوہ سے ہوا کرتا ہے، بلکہ یہ خالص اللہ کا جود وسخا اور احسان و کرم ہے، اسی طرح

اللہ کا عذاب، انتقام، سخت گیری، عذاب میں جلدی، ظلم، یا تشفی، یا تندمزاجی، یا سخت دلی سے سلام ہیں، بلکہ وہ خالص اللہ کی حکمت، عدل اور چیزوں کو برمحل رکھنے کی بنیاد پر ہے، جس پر وہ حمد وثنا کا مستحق ہے جیسے اپنے احسان، ثواب اور نعمتوں پر مستحق ہے، یہی نہیں بلکہ اگر ثواب کو عذاب کی جگہ پر رکھ دیا جائے تو یہ اللہ کی حکمت وعزت کے خلاف اور اس سے متصادم ہوگا، اس لئے اُس کا عذاب کو عذاب کی جگہ پر رکھنا اُس کے عدل، حکمت اور عزت کا تقاضہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بات سے بھی سلام ہے جو اس کے بارے میں اس کے دشمنوں کا 'جو اللہ کے بارے میں جاہل ہیں' وہم ہے کہ یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔

اسی طرح اللہ کا فیصلہ اور اس کی تقدیر بے کاری، جور وظلم اور حکمت بالغہ کے خلاف واقع ہونے کا گمان رکھنے والوں سے سلام ہے، اور اس کا دین اور شریعت تناقض، اختلاف، کشمکش، بندوں کی مصلحت اور ان پر رحمت واحسان کے خلاف ہونے سے سلام ہے، بلکہ اللہ کی پوری شریعت سراپا حکمت، رحمت، مصلحت اور عدل ہے، اور اسی طرح اللہ کا دینا اور عطا کرنا اس بات سے سلام ہے کہ وہ بدلہ کی امید یا جسے دیا گیا ہے اس سے کسی ضرورت کی بنا پر ہو، اور اللہ کا نہ دینا بخیلی اور بھکمری کے اندیشے سے سلام ہے، بلکہ اللہ کا دینا سراسر احسان ہے کسی بدلہ کی جستجو یا ضرورت کی بنا پر نہیں ہے، اور نہ دینا بھی سراپا عدل وحکمت ہے اس میں کسی بخیلی یا عاجزی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔

اسی طرح اللہ عزوجل کا اپنے عرش پر مستوی اور بلند ہونا کسی چیز کی ضرورت سے سلام ہے جو اُسے اٹھائے اور وہ اس پر مستوی ہو، بلکہ عرش اور اس کے اٹھانے والے خود اللہ کے محتاج ہیں، وہ عرش، حاملین عرش اور اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے، وہ ایسا استواء اور بلندی ہے جس میں محدودیت کا کوئی شائبہ ہے' نہ عرش وغیرہ کی ضرورت کا' اور نہ کسی چیز کے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو محیط ہونے کا، بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تب تھا' جب عرش نہ تھا، اسے عرش کی چنداں حاجت نہ تھی، وہ بے نیاز تعریفوں والا ہے، بلکہ اس کا عرش پر مستوی ہونا اور اپنی مخلوق پر قابض ہونا اُس کی بادشاہت اور قہر وغلبہ کا تقاضہ ہے، اُسے عرش وغیرہ کی حاجت سرے سے نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ کا ہر رات آسمان دنیا پر اترنا اُس کی بلندی کے خلاف چیزوں سے سلام ہے، نیز اس کی بے نیازی کے خلاف چیزوں سے سلام ہے۔ اور اس کا کمال ان تمام باتوں سے سلام ہے جو اللہ کے اسماء وصفات کا منکر' یا اس کی تشبیہ دینے والا گمان کرتا ہے، اور اس بات سے بھی سلام ہے کہ وہ کسی چیز کے نیچے یا کسی چیز میں محصور اور بند ہو، ہمارا رب اللہ اپنے کمال کے خلاف ہر چیز سے بلند و برتر ہے۔

اسی طرح اللہ کی بے نیازی، اس کا سننا اور دیکھنا تشبیہ دینے والے کے خیالات اور منکر صفات کی بکواس سے سلام ہے۔ اور اس کا اپنے اولیاء کو دوست رکھنا مخلوق کی دوستی کی طرح کسی کمزوری اور بے بسی کے نتیجے میں ہونے سے سلام ہے، بلکہ وہ محض رحمت، خیر و بھلائی اور احسان وکرم کی دوستی ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِى لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ شَرِيكٌ فِى ٱلْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ وَلِىٌّ مِّنَ ٱلذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًۢا ﴿١١١﴾﴾ [الاسراء: ١١١]۔

اور یہ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک وساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی حمایتی کی ضرورت ہو اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ۔

چنانچہ اللہ نے اپنا مطلق ولی اور دوست ہونے کی نفی نہیں کی ہے' بلکہ کسی کمزوری اور بے

بسی کی وجہ سے ولی ہونے کی نفی کی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے محبین اور اولیاء سے محبت کرنا مخلوق کی مخلوق سے محبت کے عوارض سے سلام ہے، جیسے کوئی حاجت، یا چاپلوسی، یا قربت سے فائدہ اٹھانا وغیرہ، نیز اس سلسلہ میں منکرین صفات کی گھڑی ہوئی باتوں سے بھی سلام ہے۔

اسی طرح اللہ کی اپنی ذات کی طرف منسوب کی ہوئی چیزیں جیسے ہاتھ اور چہرہ وغیرہ، تشبیہ دینے والے کی سوچ اور انکار کرنے والے کی بنائی ہوئی بات سے سلام ہے۔

لہٰذا غور کریں کہ اللہ کا نام "السلام" کس طرح اللہ کو پاک کی جانے والی تمام باتوں کو شامل ہے۔ اور اس نام کو یاد کرنے والے کتنے لوگ ہیں، جنہیں اس نام میں شامل ان سربستہ رازوں اور معانی کا علم نہیں ہے، واللہ المستعان (1)۔

۴۸ اَلْبَرُّ (احسان کرنے والا)

۴۹ اَلْوَهَّابُ (عطا کرنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْبَرُّ ٱلرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾﴾ [الطور: ۲۸]۔

ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بیشک وہ محسن اور مہربان ہے۔

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۲/ ۱۵۰-۱۵۲، اور مصری ایڈیشن، نشر مکتبۃ القاہرہ، وہ ایڈیشن جسے مکتبۃ الریاض الحدیثۃ نے شائع کیا ہے، ۲/ ۱۳۵-۱۳۷، نہایت معمولی تصرف کے ساتھ۔

نیز ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾﴾ [آل عمران:۸]۔

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے "البر ،الوھاب" بھی ہے، یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے احسانات، عطا اور کرم کے ذریعہ تمام کائنات کو شامل ہے، چنانچہ اللہ بھلائی کا مولیٰ، دائمی احسان والا اور کشادہ عطیوں اور نوازشات والا ہے، اس کی خوبی "البر" (احسان کرنے والا) ہے اور اس خوبی کے آثار دنیا کی تمام تر ظاہری و باطنی نعمتیں ہیں، لہٰذا کوئی بھی مخلوق اللہ کے احسان و نوازش سے چشم زدن کے لئے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

اور اللہ کا احسان عام بھی ہے اور خاص بھی:

۱۔ عام احسان: جس کا ذکر اللہ کے اس فرمان میں کیا گیا ہے:

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا﴾ [غافر:۷]۔

اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنی بخشش اور علم سے گھیر رکھا ہے۔

نیز اللہ کے اس فرمان میں:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ﴾ [الاعراف:۱۵۶]۔

اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ﴾ [النحل:۵۳]۔

تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں۔

اور اس عام احسان میں نیک ، بد، آسمان والے ، زمین والے اور مکلفین (پابند شریعت)اور دیگر لوگ سب شامل ہیں۔

۲۔ خاص احسان: یعنی متقیوں پر اللہ کی خاص رحمت اور نعمتیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ [الاعراف:۱۵۶-۱۵۷]۔

تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾﴾ [الاعراف:۵۶]۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہے:

﴿وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿١٩﴾﴾ [النمل:۱۹]۔

اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کرلے۔

یہ خاص رحمت ہے جسے انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار مانگتے ہیں' جو ایمان، علم، اور عمل کی توفیق، تمام احوال کی درستی، ابدی سعادت و نیک بختی، اور فلاح و کامرانی کی متقاضی ہے، اور مخلوق میں خواص کا یہ سب سے عظیم مطلوب ہے[۱]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۸۲ – ۸۳، نیز دیکھئے: شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۶۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ جود (سخاوت وفیاضی) کی صفت سے متصف ہے: یعنی فضل واحسان کی کثرت و بہتات، اور اللہ کے جود وسخا کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: مطلق جود وسخا جو تمام کائنات کو عام ہے' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُسے اپنے فضل وکرم اور قسم قسم کی نعمتوں سے لبریز کر رکھا ہے۔

دوسری قسم: خاص جود وسخا، جو زبان گفتگو یا زبان حال سے مانگنے والوں کے ساتھ خاص ہے، خواہ نیک ہو، یا بد، مسلم ہو یا کافر، چنانچہ جو اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے' وہ اُس کی مانگ پوری کرتا ہے اور مطلوبہ چیز عطا فرما دیتا ہے، کیونکہ وہ بڑا محسن اور مہربان ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ ٱللَّهِ ۖ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ ٱلضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْـَٔرُونَ ﴿٥٣﴾ ﴾ [النحل: ۵۳]۔

تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں، اب بھی جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو۔

اور اس کی کشادہ سخاوت وفیاضی کا حصہ وہ بھی ہے جو اس نے اپنے نعمتوں بھرے گھر (جنت) میں اپنے اولیاء کے لئے تیار کر رکھا ہے' جسے کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی فرد بشر کے دل میں اس کا کھٹکا گزرا(۱)۔

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۶-۶۷، شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۹۴۔

۵۰ الرَّحمٰن (مہربان)

۵۱ الرَّحِیم (نہایت رحم کرنے والا)

۵۲ الکَرِیم (کرم والا)

۵۳ الأکرم (سب سے بڑا کرم والا)

۵۴ الرَّؤُف (اعلیٰ شفقت ونرمی والا)

اللہ عزوجل کاارشاد ہے:

﴿ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٢ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ۝٣ ﴾ [الفاتحہ:۱-۲]۔

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّى غَنِىٌّ كَرِيمٌ ۝٤٠ ﴾ [النمل:۴۰]۔

شکر گزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار (بے پرواور بزرگ) غنی اور کریم ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَٱللَّهُ رَءُوفٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿٣٠﴾﴾ [آل عمران: ۳۰]۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

علامہ شیخ عبد الرحمن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الرحمٰن، الرحیم، البر، الکریم، الجواد، الرؤوف، اور الوھاب، ان ناموں کے معانی قریب قریب ہیں، اور یہ سارے نام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ رب سبحانہ وتعالیٰ رحمت، احسان، سخاوت، کرم وغیرہ خوبیوں سے متصف ہے، نیز یہ کہ اللہ کی رحمت اور اس کی نوازشات بڑی کشادہ ہیں، جسے اس نے اپنی حکمت کے تقاضہ کے مطابق سارے وجود کے لئے عام کر رکھا ہے۔ اور اس میں سے مومنوں کو خصوصیت کے ساتھ خوب خوب اور بھرپور حصہ عطا فرمایا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلَّذِينَ هُم بِـَٔايَٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾﴾ [الاعراف: ۱۵۶]۔

اور میری رحمت تمام اشیا پر محیط ہے۔ تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام ضرور لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اور نعمتیں اور احسانات سب اللہ کی رحمت، جود وسخا اور کرم کی نشانیاں ہیں۔ اور دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں بھی اللہ کی رحمت کی نشانیاں ہیں (۱)۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ:

---

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی، ۵/ ۶۲۱۔

﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾﴾ [العلق: ۳-۵]۔

تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے کی خبر دینے کے بعد اپنے آپ کو کرم کی صفت سے متصف کیا ہے اور اپنا نام ''اَکرم'' رکھا ہے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ وہ مخلوقات پر اپنا انعام کرتا ہے اور انہیں قابل ستائش مقاصد تک پہنچاتا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٢﴾ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ﴿٣﴾﴾ [الاعلیٰ: ۲-۳]۔

جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا۔اور جس نے (ٹھیک ٹھاک) اندازہ کیا اور پھر راہ دکھائی۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿٥٠﴾﴾ [طٰہٰ: ۵۰]۔

جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی خاص صورت، شکل عنایت فرمائی پھر راہ سجھا دی۔

نیز ارشاد ہے:

﴿الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾﴾ [الشعراء: ۷۸]۔

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے۔

چنانچہ تخلیق آغاز کو شامل ہے اور کرم اختتام کو شامل ہے، جیسا کہ سورۃ الفاتحہ میں ارشاد

فرمایا: ﴿رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ٢﴾ (تمام جہانوں کا پالنے والا ہے)

اور پھر فرمایا: ﴿ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ٣﴾ (بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا)

اور کرم کا لفظ تمام محاسن اور خوبیوں کا جامع ہے، اس سے صرف دینے کا معنیٰ مراد نہیں ہے، بلکہ بھرپور معنیٰ کے اعتبار سے دینا مراد ہے؛ کیونکہ دوسرے کی طرف احسان کرنا خوبیوں کا پورا ہونا ہے جبکہ ''کرم'' بھلائی کی کثرت اور آسانی کو کہتے ہیں۔۔۔اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صیغہ تفضیل اور معرفہ (ال) کے ساتھ، بتلایا ہے کہ وہ سب سے زیادہ کرم والا ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا سب سے زیادہ کرم والا ہے، برخلاف اس کے کہ اگر وہ: ''وربک أکرم'' کہتا، تو حصر کا فائدہ نہ دیتا۔ اور اللہ کا فرمان: ''الأکرم'' حصر اور تحدید کا فائدہ دے رہا ہے، نیز اللہ نے ''الأکرم من کذا'' یعنی (فلاں سے زیادہ کرم والا) بھی نہیں فرمایا، بلکہ نام کو مطلق رکھا، تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ کسی قید کے بغیر مطلق طور پر سب سے زیادہ کرم والا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حد درجہ کرم سے متصف ہے، نہ تو اس کے اوپر کچھ ہے، نہ ہی اس میں کوئی نقص وعیب ہے(۱)۔

۵۵ الفتّاح (حَکَم، فیصلہ کرنے والا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفۡتَحُ بَيۡنَنَا بِٱلۡحَقِّ وَهُوَ ٱلۡفَتَّاحُ ٱلۡعَلِيمُ ٢٦﴾ [سبا:۲۶]۔

(۱) فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ۱۶/ ۲۹۳-۲۹۶، معمولی تصرف کے ساتھ۔

انہیں خبر دے دیجئے کہ ہم سب کو ہمارا رب جمع کرکے پھر ہم میں سچے فیصلے کردے گا۔ وہ فیصلے چکانے والا ہے اور دانا۔

''الفاتح'' کا معنیٰ فیصلہ کرنے والے کے ہیں، اور''الفتاح'' مبالغہ کا صیغہ ہے۔

اور''الفتاح'' کا معنیٰ محسن، سخی فیصلہ کرنے والا ہے، اور اللہ کے فتح (فیصلہ) کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اللہ کا اپنے دینی حکم کے ذریعہ اور جزائی (بدلہ وسزا) حکم کے ذریعہ فیصلہ کرنا۔

دوسری قسم: اللہ کا اپنے تقدیری فیصلہ کے ذریعہ فیصلہ کرنا۔

اللہ کا دینی فیصلہ، دراصل رسولوں کی زبانی اللہ کی مشروع کردہ وہ تمام باتیں ہیں جن کی مکلفین کو حاجت ہے اور جن کے ذریعہ وہ صراط مستقیم پر گامزن رہ سکتے ہیں۔

اور اللہ کا جزائی فیصلہ دراصل اپنے انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخالفین اور اپنے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان اللہ کا فیصلہ کرنا ہے، یعنی انبیاء اور ان کے متبعین کی عزت افزائی اور انہیں نجات دینا اور ان کے دشمنوں کی توہین اور انہیں سزائیں دینا۔ اسی طرح قیامت کے دن اللہ کا مخلوقات کے درمیان فیصلہ فرمانا ہے، جب ہر عمل کرنے والے کو اپنے عمل کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔

رہا اللہ تعالیٰ کا تقدیری فیصلہ تو وہ خیر وشر، نفع نقصان اور دینا نہ دینا ہے' جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مقدر فرماتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿مَّا يَفْتَحِ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ۝٢﴾ [فاطر:٢]۔

اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور

جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

لہٰذا رب سبحانہ وتعالیٰ ہی فیصلہ چکانے والا اور علم والا ہے جو اپنے اطاعت گزار بندوں کے لئے اپنے جود وسخا کے خزانے کھولے گا اور اپنے دشمنوں کے لئے اس کے برعکس کا فیصلہ فرمائے گا، اور یہ چیزیں محض اللہ کے فضل اور اس کے عدل کا نتیجہ ہوں گی (۱)۔

۵۶ الرَّزَّاقُ ۵۷ الرَّازِقُ (روزی رساں)

"الرزاق" کثرت کا معنیٰ بتانے لئے رازق کا صیغۂ مبالغہ ہے، اور "الرزاق" اللہ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ﴾ [الذاریات: ۵۸]۔

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا ﴾ [ھود: ۶]۔

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۸۳، نیز دیکھئے: شرح القصیدة النونیة، از ہراس، ۲/ ۱۰۷۔

’’إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ‘‘[۱]۔

بیشک اللہ تعالیٰ ہی چیزوں کو ارزاں مہنگا کرنے والا، روزی تنگ والا، کشادہ کرنے والا٬ روزی رساں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کی روزی رسانی کی دوقسمیں ہیں: عام اور خاص۔

۱۔ عام: یعنی تمام تر مخلوقات کو اپنے جینے بسنے کی ضروریات کی ساری چیزیں پہنچانا اور مہیا کرنا، چنانچہ اللہ نے روزی آسان فرمائی، ان کے جسموں میں اس کا انتظام کیا، اور ہر ہر عضو کو اس کی مطلوبہ خوراک پہنچائی، اور یہ چیز نیک، بد، مسلم، کافر بلکہ تمام آدمیوں، جنوں فرشتوں اور تمام حیوانات کے لئے عام ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے اعتبار سے مکلفین (جن پر شریعت کے احکام لاگو ہیں) کے حق میں بھی عام ہے؛ بایں طور کہ مال کبھی حلال ہوسکتا ہے٬ جس میں بندے کوئی نقد وملامت نہیں٬ اور کبھی حرام بھی ہوسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس اعتبار سے اُسے روزی اور نعمت کہا جاتا ہے، اور بولا جاتا ہے’’رزقہ اللہ‘‘ اللہ نے اسے روزی عطا فرمائی، چاہے اس نے حلال طریقہ سے کمایا ہو یا حرام سے، یہ عام روزی ہے۔

۲۔ رہا رزق مطلق تو وہ یہ دوسری قسم ہے جسے خاص روزی کہا جاتا ہے، یعنی وہ روزی جو نفع بخش ہے٬ جس کا نفع دنیا وآخرت میں مسلسل جاری ہے، یہ وہ روزی ہے جو رسولوں کے ہاتھوں پہنچتی ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں:

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب البیوع والاجارات، باب فی التسعیر، حدیث (۳۴۵۱)، وسنن ترمذی، کتاب البیوع، باب فی التسعیر، حدیث (۱۳۱۴)، وسنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من کرہ أن یسعر، حدیث (۲۲۰۰)، ومسند احمد، ۳/۱۵۶، نیز اسے امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع (حدیث ۱۸۴۶) میں صحیح قرار دیا ہے۔

پہلی قسم: علم، ایمان اور ان کے حقائق کے ذریعہ دلوں کی روزی رسانی، کیونکہ وہ اس بات کے حد درجہ محتاج ہیں کہ حق تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہوئے اُسے جاننے والے اور اسی کو چاہنے والے ہوں، اور اس کے ذریعہ اُن دلوں کی مالداری حاصل ہوتی ہے اور ان کی فقیری زائل ہوتی ہے۔

دوسری قسم: حلال روزی' جس میں کوئی عیب وملامت نہ ہو' کے ذریعہ بدن کی روزی؛ کیونکہ جس روزی کو اللہ نے ایمان والوں کے ساتھ خاص کر رکھا ہے' اور جسے وہ اللہ سے مانگتے ہیں وہ دونوں باتوں کو شامل ہے، اسی لئے بندے کو چاہئے کہ جب اپنے رب سے حصول رزق کی دعا کرے تو اپنے دل میں ان دونوں باتوں کو حاضر رکھے، چنانچہ ''اللھم ارزقنی'' (اے اللہ! مجھے روزی عطا فرما) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے وہ علم، ہدایت، معرفت اور ہر عمل صالح اور عمدہ اخلاق کو شامل ایمان عطا فرما' جس سے میرا دل نکھر جائے، اور وہ خوشگوار حلال روزی عطا فرما' جس میں کوئی دشواری ہو نہ ہی بعد میں کوئی ملامت' جس سے میرے بدن کی اصلاح ہو جائے[1]۔

۵۸ الحی (زندہ) ۵۹ القیوم (سنبھالنے والا)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَيُّ ٱلۡقَيُّومُۚ﴾ [البقرۃ:۲۵۵]۔

(۱) الحق الواضح المبین ص ۸۵-۸۶، نیز دیکھئے: شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۲، وتوضیح المقاصد، ۲/ ۲۳۴۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿الٓمٓ ۝١ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَيُّ ٱلۡقَيُّومُ ۝٢﴾ [آل عمران:۱-۲]۔

الم، اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿۞ وَعَنَتِ ٱلۡوُجُوهُ لِلۡحَيِّ ٱلۡقَيُّومِۖ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمٗا ۝١١١﴾ [طٰہٰ:۱۱۱]۔

تمام چہرے اس زندہ اور قائم دائم مدبر، اللہ کے سامنے کمال عاجزی سے جھکے ہوئے ہونگے، یقیناً وہ برباد ہوا جس نے ظلم لادلیا۔

''الحی، القیوم'' اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں ناموں ''الحی القیوم'' کو اپنے کتاب میں کئی جگہوں پر اور نہایت مناسب موقعوں پر اکٹھا فرمایا ہے، کیونکہ یہ دونوں نام اللہ کے تمام صفات کمال کو شامل ہیں، اس لئے کہ ''الحی'' کے معنیٰ ہیں مکمل زندگی والا، اور یہ چیز اللہ کی تمام ذاتی صفات کو شامل ہے، جیسے، علم، عزت، قدرت، ارادہ، عظمت و بڑائی، کبریائی اور ان کے علاوہ ذات باری تعالیٰ کی دیگر مقدس صفات، اور ''القیوم'' کے معنیٰ مکمل قیومیت والے کے ہیں، اور اس کے دو معانی ہیں:

پہلا معنیٰ: یہ ہے کہ اللہ عزوجل بذات خود قائم ہے، اس کی صفات عظیم ہیں اور وہ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔

دوسرا معنیٰ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے دم سے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی مخلوقات قائم ہیں، اُسی نے انہیں وجود بخشا ہے، بڑھایا ہے، اور انہیں ہر اس چیز کے لئے تیار کیا ہے جس میں اس کی بقاء، بھلائی اور وجود کا راز پنہاں ہے، اللہ تعالیٰ اُن سے ہر طرح سے بے نیاز ہے البتہ وہ خود ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، چنانچہ ''الحی'' اور ''القیوم'' اللہ کی ذات ہے جس کے پاس ہر کمال کا وصف ہے اور وہی جو چاہے کر گزرنے والا ہے [1]۔

٦٠ نُورُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ

(آسمانوں اور زمین کا نور)[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ ٱللَّهُ نُورُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۚ مَثَلُ نُورِهِۦ كَمِشۡكَوٰةٖ فِيهَا مِصۡبَاحٌۖ ٱلۡمِصۡبَاحُ فِي زُجَاجَةٍۖ ٱلزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوۡكَبٞ دُرِّيّٞ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٖ مُّبَٰرَكَةٖ زَيۡتُونَةٖ لَّا شَرۡقِيَّةٖ وَلَا غَرۡبِيَّةٖ يَكَادُ زَيۡتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٞۚ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٖۚ يَهۡدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُۚ ﴾ [النور:٣٥]۔

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو جو درخت نہ مشرقی

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۸۷-۸۸، نیز دیکھئے: شرح القصیدۃ النونیۃ، از ہراس، ۲/ ۱۰۹، وتوضیح المقاصد، ۲/ ۲۳۶۔

(۲) دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، اس بارے میں بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے، ۶/ ۳۸۲-۳۹۶۔

ہے نہ مغربی خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ... ''الحدیث[۱]۔

اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تو آسمانوں، زمین اور جو ان کے درمیان ہیں اُن کا نور ہے۔

نیز ارشاد ہے:

''إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ''[۲]۔

بیشک اللہ عزوجل نہیں سوتا' اور نہ ہی سونا اس کے شایان شان ہے' وہ عدل کو پست و بلند کرتا ہے' اس کی طرف رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے بلند کیا جاتا ہے' اس کا حجاب نور ہے' اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی ضوفشانیاں اس کی منتہائے نگاہ تک کی ساری مخلوقات کو جلا کر رکھ دیں گی۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه بالليل، حدیث (۶۳۱۷)، وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، حدیث (۷۶۹)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: إن اللہ لا ینام، حدیث (۱۷۹)۔

علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ جل جلالہ کے اسماء اور صفات میں سے ایک "النور" ہے، جو اُس کا نہایت عظیم وصف ہے، کیونکہ وہ عظمت و بزرگی والا ہے، اور اس قدر چمک اور تابانی والا ہے کہ اگر وہ اپنے رُخ کریم سے حجاب کھول دے تو تو اس کے چہرے کی ضوفشانیاں اس کی حد نگاہ تک کی ساری مخلوقات کو جلا کر رکھ دیں گی، اسی کے دم سے سارا عالم جگمگا رہا ہے، چنانچہ اسی کے چہرے کے نور سے تاریکیاں روشن ہیں، اور اسی کے دم سے عرش و کرسی، ساتوں طبق اور تمام کائنات منور و مجلیٰ ہیں۔

اور نور دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ حسی نور: جیسے یہ ساری دنیا، جس میں اللہ کے نور کے سوا کوئی نور نہیں۔

۲۔ معنوی نور: جو محمد ﷺ کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب اور سنت کے ذریعہ دلوں اور روحوں کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب وسنت کا علم اور ان پر عمل دلوں، کانوں اور نگاہوں کو نور بخشتا ہے، اور بندے کے لئے دنیا وآخرت میں روشنی کا ذریعہ بنتا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿يَهْدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ﴾ [النور:۳۵]۔

اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے۔

کیونکہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اور اللہ نے اپنی کتاب کو نور کہا ہے، اپنے رسول ﷺ کو نور کہا ہے اور اپنی وحی کو نور کہا ہے۔۔۔

پھر امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فریب خوردہ صوفیوں سے دھوکہ کھانے سے ڈرایا اور چوکنا کیا ہے، جنہوں نے صفات الٰہی کے نور اور ایمان اور علوم ومعارف کے انوار کے درمیان فرق نہیں کیا، بلکہ جب انہوں نے فرقان اور علم کامل کے بغیر عبادت و بندگی کی، اور ان

کے دلوں میں عبادت کے روشنیاں جگمگانے لگیں؛ کیونکہ دلوں میں عبادات کا نور ہوا کرتا ہے، تو انہوں نے اس روشنی کو ذات مقدسہ کا نور گمان کرلیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے ایسی بے تکی اور گندی باتیں آئیں جو اسی جہالت، فریب خوردگی اور گمرہی کا نتیجہ ہیں۔

لیکن اہل علم، ایمان اور فرقان والے ذات وصفات الٰہی کے نور اور حسّی ومعنوی مخلوق نور کے درمیان فرق کرتے ہیں، چنانچہ انہیں اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ صفات باری کا نور اُس کی ذات کو لازم رہتا ہے، جدا نہیں ہوتا ہے، اور نہ کسی مخلوق میں داخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ظالموں کی بکواس سے بہت بلند و برتر ہے۔ جبکہ مخلوق نور وہ ہے جس سے اسباب ومعانی کے مطابق مخلوقات متصف ہوتی ہیں۔

اور جب مومن کا ایمان کامل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور کر دیتا ہے چنانچہ اُس پر چیزوں کی حقیقتیں آشکارا ہوتی ہیں، اور فرقان حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ حق وباطل کے درمیان فرق وامتیاز کرتا ہے، اور پھر یہی نور بندے کی زندگی اور علمی وعملی طور پر خیر وبھلائی کی قوت کا مادہ بن جاتا ہے، اور علم ویقین میں عیب لگانے والے شبہات اور ظلمت وغفلت سے پیدا ہونے والی خواہشات چھٹ کر صاف ہو جاتی ہیں، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل نور ہو جاتا ہے، اس کی بات نور ہو جاتی ہے، اس کا عمل نور ہو جاتا ہے اور تمام سمتوں سے نور اُسے گھیرے میں لے لیتا ہے۔

اور کافر، یا منافق، یا مخالف حق، یا سرتابی کرنے والا غافل، یہ تمام لوگ تاریکیوں میں حیران وبدمست رہتے ہیں، ہر ایک اسی قدر تاریکی میں ہوتا ہے جس قدر اس کے ساتھ اس کے مادے اور اسباب ہوتے ہیں، اور توفیق دہندہ اللہ واحد کی ذات ہے[1]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۹۳-۹۵، نیز دیکھئے: توضیح المقاصد، ۲/ ۷ ۳۳، ۳شرح القصیدۃ النونیۃ، ۲/ ۱۰۶، بتصرف۔

٦١ اَلرَّبُّ (پروردگار، پالنہار)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلۡ أَغَيۡرَ ٱللَّهِ أَبۡغِي رَبّٗا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيۡءٖۚ﴾ [الانعام: ۱۶۴]۔

آپ فرماد یجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا۔

اللہ عزوجل ہی تدبیر و انتظام اور طرح طرح کی نعمتوں کے ذریعہ اپنے تمام بندگان کی تربیت اور دیکھ ریکھ کرنے والا ہے۔ اور اس سے کہیں خاص اللہ تعالیٰ کا دلوں، روحوں اور اخلاق کی اصلاح کے ذریعہ اپنے برگزیدوں کی تربیت کرنا ہے، اسی لئے اس باعظمت نام کے ذریعہ انہوں نے بکثرت دعائیں کی ہیں؛ کیونکہ وہ اللہ سے اسی خاص تربیت کا سوال کرتے ہیں۔

٦٢ اَللّٰہُ (معبود حقیقی)

اللہ عزوجل ہی سچا معبود اور قابل عبادت ہے جو اپنی تمام مخلوقات پر عبادت و بندگی کا حق رکھتا ہے، کیونکہ وہ الوہیت کی ان خوبیوں سے متصف ہے جو کمال کی خوبیاں ہیں، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اللہ کے تمام نام اسی نام کی طرف پلٹتے ہیں، چنانچہ یہ کہا جائے گا کہ: الرحمٰن ''اللہ'' کے ناموں میں سے ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ ''اللہ'' الرحمٰن کے ناموں میں سے

ہے، اور یہی معاملہ تمام ناموں کا ہے، اور ''اللہ'' نام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے تمام معانی کا جامع ہے[1]۔

۶۳ المَلِكُ ۶۴ المَلِيْكُ (بادشاہ)

۶۵ مَٰلِكُ ٱلۡمُلۡكِ (بادشاہت کا مالک)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ ٱلۡمَلِكُ ٱلۡحَقُّۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ ٱلۡعَرۡشِ ٱلۡكَرِيمِ ۝١١٦﴾ [المؤمنون:۱۱۶]۔

اللہ تعالیٰ سچا بادشاہ ہے وہ بڑی بلندی والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فِي مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِندَ مَلِيكٖ مُّقۡتَدِرِۭ ۝٥٥﴾ [القمر:۵۵]۔

راستی اور عزت کی بیٹھک میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿قُلِ ٱللَّهُمَّ مَٰلِكَ ٱلۡمُلۡكِ تُؤۡتِي ٱلۡمُلۡكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ ٱلۡمُلۡكَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُۖ بِيَدِكَ ٱلۡخَيۡرُۖ إِنَّكَ عَلَىٰ

(۱) دیکھئے: بدائع الفوائد، از امام ابن القیم، ۲/ ۲۴۹۔

كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ﴿٢٦﴾ [آل عمران:۲۶]۔

آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ بادشاہت کی صفات سے متصف ہے۔ جو کہ عظمت، بڑائی، اور غلبہ وتدبیر کی صفات ہیں' جسے پیدا کرنے، حکم وفیصلہ کرنے اور جزاو بدلہ دینے کا مطلق تصرف واختیار ہے۔ تمام عالم بالاوسفلیٰ اللہ کے بندے اور غلام اور اسی کی طرف مجبورو بے بس ہیں (۱)۔

وہی حقیقی مربی ہے، حقیقی مالک و بادشاہ ہے، حقیقی معبود ہے، جس نے انہیں اپنی ربوبیت سے پیدا کیا ہے، اپنی بادشاہت سے ان پر غالب ہے، اور اپنی الوہیت سے انہیں بندہ اور غلام بنایا ہے، لہٰذا اس بزرگی بڑائی اور عظمت پر غور کریں جسے یہ تینوں الفاظ نہایت انوکھے نظام اور عمدہ ترین سیاق میں شامل ہیں۔ اللہ عزوجل لوگوں کا رب ہے، لوگوں کا بادشاہ ہے، لوگوں کا معبود ہے، اور یہ تینوں اضافتیں ایمان کے تمام قواعد کو شامل ہیں' اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے معانی ان میں ضمناً داخل ہیں، اسماءِ حسنیٰ کے معانی ضمناً یوں داخل ہیں کہ "الرب": قدرت والا ہے، پیدا کرنے والا ہے، وجود بخشنے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، زندہ ہے، تھامنے سنبھالنے والا ہے، علم والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، احسان کرنے والا ہے، انعام کرنے والا ہے، سخی اور فیاض ہے، دینے والا ہے، روکنے والا ہے، نقصان ونفع پہنچانے والا ہے، آگے کرنے والا ہے، پیچھے کرنے والا ہے، وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے خوش بخت بناتا ہے، جسے

(۱) تفسیر علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ۵/ ۶۲۰۔

چاہتا ہے بد بخت بناتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل ورسوا کر دیتا ہے، اور ان کے علاوہ اللہ کی ربوبیت کے دیگر معانی جن سے وہ اسماءِ حسنیٰ کا مستحق ہے۔

رہا ''الملک'': تو وہ حکم دینے والا ہے، منع کرنے والا ہے، عزت دینے والا ہے، ذلت دینے والا ہے، جو اپنے بندوں کے معاملات کو اپنی پسند کے مطابق پھیرتا ہے، انہیں اپنی چاہت کے مطابق الٹتا پلٹتا ہے، ''الملک'' کے معنیٰ سے وہ کئی اسماءِ حسنیٰ کا مستحق ہے، جیسے: العزیز (عزت والا)، الجبار (جبر والا، تلافی کرنے والا)، المتکبر (بڑائی والا)، الحکم (فیصلہ کرنے والا)، العدل (سراپا عادل)، الخافض (پست کرنے والا)، الرافع (بلند کرنے والا)، المعز (عزت دینے والا)، المذل (ذلت دینے والا)، العظیم (عظمت وبڑائی والا)، الجلیل (بزرگ و برتر)، الکبیر (بڑا)، الحسیب (حساب لینے والا، کافی)، المجید (بڑی شان والا)، الولی (نگراں، دوست)، المتعالی (بلندی والا)، مالک الملک (بادشاہت کا مالک)، المقسط (انصاف ور)، الجامع (اکٹھا کرنے والا)، اور اس طرح دیگر اسماء جو الملک کی طرف لوٹتے ہیں۔

اور رہا ''الالٰہ'': تو وہ کمال کی ساری خوبیوں اور بڑائی و بزرگی کے تمام اوصاف کا جامع ہے، لہٰذا اس نام میں تمام اسماءِ حسنیٰ داخل ہیں، اور اسی لئے صحیح قول یہی ہے کہ ''اللہ'' کی اصل ''الالٰہ'' ہے جیسا کہ سیبویہ اور ان کے جمہور ساتھیوں کا قول ہے سوائے ان میں سے کچھ شاذ لوگوں کے، اور ''اللہ'' نام اسماءِ حسنیٰ اور صفات علیا کے تمام معانی کا جامع ہے، اس طرح اسماءِ حسنیٰ کے تمام معانی ضمناً ان تینوں ناموں میں داخل ہیں۔ بنابریں ان ناموں کے ذریعہ پناہ مانگنے والا اس بات کا سزاوار ہے کہ اُسے پناہ ملے، اس کی حفاظت ہو، اسے خناس کے وسوسے سے بچایا جائے اور اُسے اُس پر مسلط نہ ہونے دیا جائے (۱)۔

---

(۱) بدائع الفوائد، از امام ابن القیم، ۲/ ۲۴۹۔

اور جب اللہ واحد ہی ہمارا رب، ہمارا بادشاہ اور ہمارا معبود ہے' تو مشکلات میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی جائے فرار نہیں، اور اس سے بچنے کی اس کے سوا ہمارے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں، اور اس کے علاوہ ہمارا کوئی معبود نہیں، لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ اُس کے سوا کسی کو پکارا جائے، کسی سے ڈرا جائے، کسی سے امید وابستہ کی جائے اور کسی سے محبت کی جائے، نہ اس کے سوا کسی کے لئے عاجزی وانکساری کی جائے، نہ اس کے سوا کسی کے لئے جھکا جائے، نہ اس کے سوا کسی پر توکل اور بھروسہ کیا جائے؛ کیونکہ آپ جس سے امید وابستہ کر رہے ہیں، جس سے ڈر رہے ہیں، جسے پکار رہے ہیں، اور جس پر بھروسہ کر رہے ہیں یا تو وہ آپ کا مربی، آپ کے معاملات کی دیکھ ریکھ کرنے والا اور آپ کی حالت کا نگہبان ہوگا، اور وہ آپ کا رب ہے جس کے علاوہ کوئی رب نہیں، یا آپ اُس کے غلام اور حقیقی بندے ہوں گے، تو وہ لوگوں کا حقیقی مالک اور بادشاہ ہے، اور سب کے سب اس کے بندے اور غلام ہیں، یا وہ آپ کا الٰہ اور معبود ہوگا جس سے آپ چشم زدن کے لئے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ اپنی زندگی اور روح سے بھی بڑھ کر اُس کے محتاج ہیں، وہ حقیقی الٰہ لوگوں کا معبود ہے جس کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں' تو اب جن کے پاس اپنا رب ہو، اپنا بادشاہ ہو، اپنا معبود ہو ان کے لئے یہی سزاوار ہے کہ وہ اُس کے علاوہ سے پناہ نہ مانگیں، اُس کے علاوہ سے مدد نہ چاہیں، اس کے در کے علاوہ کی پناہ نہ چاہیں، کیونکہ وہ ان کے لئے کافی ہے، ان کا مددگار ہے، ان کا نگہبان اور دوست ہے، اور ان پر اپنی ربوبیت، بادشاہت اور الوہیت کے ذریعہ اُن کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ تو بھلا بندہ مصیبتوں میں اور اپنے دشمن کے چڑھ آنے پر اپنے رب، اپنے مالک اور اپنے معبود کی پناہ کیوں نہیں لیتا؟[1]۔

---

(۱) دیکھئے: بدائع الفوائد، از امام ابن القیم، ۲/ ۲۴۸۔

٦٦ الْوَاحِدُ ٦٧ الْأَحَدُ

(ایک، تنہا، اکیلا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝١﴾ [الاخلاص:١]۔

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝١٦﴾ [الرعد:١٦]۔

کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی تمام چیزوں کا خالق ہے وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تمام کمالات میں تنہا، یکتا اور اکیلا ہے، بایں طور کہ اس میں اس کا کوئی ساجھی وشریک نہیں۔

اور بندوں پر واجب ہے کہ عقیدہ، قول اور عمل ہر اعتبار سے اللہ کو اکیلا اور تنہا تسلیم کریں، اس طور پر کہ اللہ کے کمال مطلق، اور وحدانیت میں منفرد ہونے کا اعتراف کریں اور عبادت کی ساری قسمیں تنہا اسی کے لئے انجام دیں[١]۔

''الأحد'' یعنی: جو ہر کمال، شان، بڑائی و بزرگی، جمال وحمد اور حکمت و رحمت وغیرہ تمام صفات کمال میں یگانہ، اکیلا اور تنہا ہے۔

لہٰذا ان صفات کمال میں اللہ کا کسی بھی طرح کوئی ہم مثل، یا مشابہ یا مناسب نہیں ہے۔

---

(١) تفسیر علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ٥/ ٦٢٠۔

بلکہ اللہ عزوجل اپنی حیات وقیومیت،علم وقدرت، عظمت وبزرگی، جمال وحمد، حکمت ورحمت اور دیگر صفات میں یکتا، یگانہ اور ایک ہے، اور ان صفات میں سے ہر صفت میں کمال کے اوج وانتہا سے متصف ہے۔

اور اللہ کی یکتائی اور انفرادیت کو حقیقی طور پر ثابت کرنے میں یہ بھی ہے کہ وہ ''الصمد'' ہے، یعنی مربّی کامل اور عظیم سردار وآقا، جو کوئی کمال کی خوبی نہیں جس سے وہ متصف نہ ہو۔ اور وہ تمام صفات کے کمال وانتہا سے متصف ہے، بایں طور کہ ساری مخلوق مل کر بھی ان میں سے بعض صفات کا اپنے دلوں سے احاطہ نہیں کرسکتی، نہ ہی ان کی زبانیں اس کی تعبیر کرسکتی ہیں (۱)۔

۶۸ المتکبر (بلند وبرتر)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْمَلِكُ ٱلْقُدُّوسُ ٱلسَّلَٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ ٱلْمُهَيْمِنُ ٱلْعَزِيزُ ٱلْجَبَّارُ ٱلْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَٰنَ ٱللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾ [الحشر: ۲۳]۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سب عیبوں سے صاف، امن دینے والا، نگہبان، غالب زورآور، اور بڑائی والا، پاک ہے اللہ ان چیزوں سے جنہیں یہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

---

(۱) بهجة قلوب الابصار وقرة عيون الاخيار في شرح جوامع الأخبار ص ۲۹۱، از عبد الرحمن السعدی۔

لٰہذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کے باعث ہر برائی، اور نقص و عیب سے بلند و برتر ہے۔

٦٩ الخالق (پیدا کرنے والا) ٧٠ البارئ (وجود بخشنے والا)

٧١ المصور (صورت بنانے والا) ٧٢ الخلاق (پیدا کرنے والا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ ٱللَّهُ ٱلْخَٰلِقُ ٱلْبَارِئُ ٱلْمُصَوِّرُ لَهُ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ﴾ [الحشر: ٢٤]۔

وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اسی کے لیے (نہایت) اچھے نام ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ ٱلْخَلَّٰقُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾﴾ [الحجر: ٨٦]۔

یقیناً تیرا پروردگار ہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی نے تمام موجودات کو پیدا فرمایا ہے، انہیں وجود بخشا ہے، اپنی حکمت سے انہیں برابر کیا ہے، اپنی حمد و حکمت سے ان کی صورت بنائی ہے، اور وہ ہمیشہ سے اور ہمیشہ اس عظیم خوبی کا مالک اور اس سے متصف ہے۔

⑦③ الْمُؤْمِنُ (تصدیق کرنے والا، امن دینے والا)

اللہ نے صفات کمال اور جمال و بزرگی کے کمال کے ذریعہ اپنے مدح وثنا فرمائی ہے، جس نے اپنے رسول بھیجے، دلائل ومعجزات کے ساتھ اپنی کتابیں اتاریں، ہرنشان و برہان کے ذریعہ اپنے رسولوں کی تصدیق فرمائی جس سے اُن کی اوران کی لائی ہوئی تعلیمات کی صداقت وحقانیت کا پتہ چلتا ہے۔

⑦④ الْمُهَيْمِنُ (غالب، نگہبان)

اللہ تعالیٰ پوشیدہ امور، معاملات اورسینوں کے سربستہ بھیدوں کی خبر رکھنے والا ہے، جس نے ہر چیز کو اپنے علم سے گھیر رکھا ہے[۱]۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"المھیمن" کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کے ذریعہ اُن پر گواہ ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے، کہا جاتا ہے: ھیمن، یھیمن، فھو مھیمن، جب کوئی کسی کی نگرانی اورنگہداشت کررہا ہو۔۔۔[۲]۔

(۱) تفسیر علامہ عبدالرحمن السعدی، ۵/ ۶۲۴۔

(۲) تفسیر البغوی، ۴/ ۳۲۶۔

۷۵ المحیط (احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴾ [النساء:۱۲۶]۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴾ [آل عمران:۱۲۰]۔

تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنے علم، قدرت، رحمت اور غلبہ و بلندی سے گھیر رکھا ہے۔ اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے، اس کی بصارت تمام دیکھی جانے والی چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، اور اس کی سماعت تمام سنی جانے والی چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کی چاہت و قدرت تمام موجودات میں نافذ ہے، اس کی رحمت تمام زمین و آسمان والوں کو سموئے ہوئے ہے، وہ اپنی عزت سے ہر مخلوق پر غالب و بلند ہے اور تمام چیزیں اُس کے تابع ہیں [۱]۔

(۱) تفسیر علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ۲/ ۱۷۹۔

٧٦ المقیت (خوراک رساں، گواہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾ ﴾ [النساء:۸۵]۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی تمام موجودات کو ان کی خوراکیں پہنچاتا ہے، انہیں ان کی روزیاں فراہم کرتا ہے اور اپنی حکمت وحمد سے جس طرح چاہتا ہے اسے پھیرتا ہے[(۱)]۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''القوت اس چیز کو کہتے ہیں جو جان جانے سے بچائے، اس کی جمع أقوات ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَٰتَهَا ﴾ [فصلت:۱۰]۔

اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی۔

اور ''قاتہ، یقوتہ قوتاً'' کا معنیٰ ہے: کسی کو خوراک کھلانا، اور ''أقاتہ یقیتہ'' کا معنیٰ ہے کسی کی خوراک کا انتظام کرنا۔

اور حدیث رسول ﷺ میں ہے:

''كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ''[(۲)]۔

---

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمن السعدی، ۵/ ۶۲۵۔

(۲) ابو داود، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم، حدیث (۱۶۹۲)، ومسند احمد، ۲/ ۱۶۰، ومستدرک حاکم، ۱/ ۴۱۵، اور کہا ہے کہ ''صحیح'' ہے، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور علامہ البانی نے صحیح الجامع (۴۴۸۱) میں حسن قرار دیا ہے۔ ==

آدمی کے گنہ گار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جن کی خوراک اس کے ذمہ ہے' انہیں ضائع کردے (خیال نہ کرے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾﴾ [النساء:۸۵]۔

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

ایک معنیٰ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والا ہے، اور ایک رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ بھال کرنے والا ہے' وہ اس حفاظت کرتا ہے اور اُسے خوراک فراہم کرتا ہے۔۔۔۔"(۱)۔

اور القاموس المحیط میں (علامہ فیروز آبادی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

"المقیت: کے معنیٰ کسی چیز کی حفاظت کرنے والے، اس پر گواہ، اور قدرت رکھنے والے کے ہیں، جیسے کوئی ہر ایک کو اس کی غذا پہنچا رہا ہو"(۲)۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مقیت کے معنیٰ قدرت والے یا بدلہ دینے والے کے ہیں۔ اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حفاظت کرنے والے کے ہیں، اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر جاندار کو خوراک پہنچانے والا ہے(۳)۔

== اور اصل حدیث مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: "كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ"۔ (آدمی کے گنہ گار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جن کی خوراک اس کے ذمہ ہے اُن کی خوراک روک لے)۔ کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک وإثم من ضیعهم، حدیث (۹۹۶)۔

(۱) المفردات فی غریب القرآن، از راغب اصفہانی، ص ۴۱۴۔

(۲) القاموس المحیط، ص ۲۰۲۔

(۳) تفسیر البغوی، ۱/۴۵۷۔

اورحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ۝٨٥﴾ [النساء:٨٥]۔

اوراللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یعنی حفاظت اور دیکھ ریکھ کرنے والا ہے، اور مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہیداً کے معنیٰ میں ہے، یعنی گواہ اور آگاہ، اوران کی دوسری روایت میں ہے کہ: حساب لینے والے کے معنیٰ میں ہے، اور ایک رائے یہ ہے کہ: قدرت والا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ: ''المقیت'' کے معنیٰ ''الرزاق'' (روزی رساں) کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق غذا فراہم کرنے والا ہے[1]۔

۷۷ الوکیل (مخلوقات کا کارساز، نگہبان)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱللَّهُ خَٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝٦٢﴾ [الزمر:٦٢]۔

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے علم، کمال قدرت اور شامل حکمت کے ذریعہ اپنی مخلوقات کی تدبیر و انتظام کا نگہبان ہے، جس نے اپنے اولیاء کی نگہداشت کی ہے' لہٰذا ان کے لئے آسانی اور بھلائی کا راستہ آسان کر دیا ہے، مشکلات سے دور رکھا ہے اور تمام معاملات میں

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۱/۵۳۱، معمولی تصرف کے ساتھ۔

ان کے لئے کافی ہے۔

لہٰذا جو اللہ کو اپنا وکیل اور کارساز بنائے گا، اللہ اس کے لئے کافی ہوگا، ارشاد باری ہے:

﴿ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ﴾ [البقرة: ٢٥٧]۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔

٧٨ ذُو ٱلۡجَلَٰلِ وَٱلۡإِكۡرَامِ

(عظمت وعزت والا)

یعنی اللہ تعالیٰ عظمت وکبریائی والا، اور رحمت، سخاوت اور عام وخاص احسان والا ہے۔

نیز اپنے اولیاء اور برگزیدوں کی عزت افزائی کرنے والا ہے، جو اُس کی بڑائی بیان کرتے ہیں، اس کی تعظیم کرتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں [١]۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿تَبَٰرَكَ ٱسۡمُ رَبِّكَ ذِي ٱلۡجَلَٰلِ وَٱلۡإِكۡرَامِ ٧٨﴾ [الرحمٰن: ٧٨]۔

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے جو عزت وجلال والا ہے۔

---

(١) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، ٥ / ٦٢٦۔

۷۹ جَامِعُ ٱلنَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ

(لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا جس میں کوئی شک نہیں)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَآ إِنَّكَ جَامِعُ ٱلنَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُخْلِفُ ٱلْمِيعَادَ ۝٩﴾ [آل عمران:۹]۔

اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کو جمع کرنے والا ہے، اور ان کے اعمال اور روزیوں کو اکٹھا کرنے والا ہے، ان میں سے کسی بھی چھوٹی بڑی چیز کو شمار کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور وسیع علم کے ذریعہ اگلے پچھلے بکھرے ہوئے اور مٹی میں تحلیل ہوئے مردوں کو بھی اکٹھا کرنے والا ہے[۱]۔

---

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ۵ / ۶۲۷۔

⑧٠ بَدِيعُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ

(آسمانوں اور زمین کا انوکھا، بلانمونہ پیدا کرنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿بَدِيعُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ وَإِذَا قَضَىٰٓ أَمۡرٗا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ١١٧﴾ [البقرۃ:۱۱۷]۔

وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، بس وہ وہیں ہو جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں کا پیدا کرنے والا، اور انہیں نہایت خوبصورت، انوکھی بناوٹ اور عجیب ٹھوس نظام کے ساتھ ابتداءً وجود بخشنے والا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَهُوَ ٱلَّذِي يَبۡدَؤُاْ ٱلۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ﴾ [الروم:۲۷]۔

وہی ہے جو اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر سے دوبارہ پیدا کرے گا۔

یعنی اللہ نے ساری مخلوق کو ابتداءً پیدا کیا ہے تاکہ انہیں آزمائے کہ ان میں سب سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے، پھر انہیں دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ نیک کاروں کو ان کی نیکی کا اور بدعملوں کو بدعملی کا بدلہ دے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی رفتہ رفتہ مخلوقات کی ایجاد شروع کرتا ہے، پھر انہیں ہر بار دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾﴾ [هود:١٠٧]۔

یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾﴾ [البروج:١٥-١٦]۔

عرش کا مالک عظمت والا ہے۔ جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔

یہ اللہ کی کمال قوت اور اس کی مشیت و قدرت کے یقینی نفاذ کا حصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرنا چاہتا ہے بلا رکاوٹ ڈالنے اور کسی معارضہ کرنے والے کے' کر گزرتا ہے۔ اور کسی بھی انجام پانے والے معاملہ میں اس کا کوئی معاون و مددگار نہیں ہے، بلکہ اللہ جب کسی چیز کو کہتا ہے کہ: ''ہو جا، تو وہ فوراً ہو جاتی ہے''۔ اور باوجودیکہ اللہ جو چاہے کر گزرنے والا ہے' اُس کا ارادہ اس کی حکمت و حمد کے تابع ہے۔ لہٰذا وہ کمال قدرت اور نفاذ مشیت سے بھی متصف ہے اور ہر کئے ہوئے یا کرنے والے کام میں شامل حکمت سے بھی متصف ہے[1]۔

٨١ الکافی (کافی ہونے والا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ [الزمر:٣٦]۔

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟

(۱) تفسیر علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ۵ / ۶۲۸-۶۲۹۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کی تمام حاجات وضروریات کے لئے کافی ہے، البتہ جو اللہ پر ایمان لائیں ہیں، اس پر بھروسہ کیا ہے، اور اپنے دین ودنیا کی ضروریات میں اسی سے مدد چاہا ہے' اُن کے لئے خصوصی کفایت کے ساتھ کافی ہے۔

۸۲ الواسع (کشادگی والا)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾ ﴾ [البقرة:٢٦٨]۔

اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات، خوبیاں اور ان کے متعلقات اس قدر وسیع ہیں کہ کوئی اللہ عزوجل کی حمد وثناء کا شمار نہیں کرسکتا، بلکہ وہ ایسا ہے جیسے خود اس نے اپنی ثناء فرمائی ہے۔

نیز اللہ کشادہ عظمت اور سلطنت و بادشاہت والا ہے، اور وسیع فضل واحسان اور بڑا جود وسخا والا ہے۔

۸۳ الحق (حق، سچ)

اللہ عزوجل اپنی ذات وصفات میں حق ہے، چنانچہ وہ واجب الوجود ہے، کامل صفات

اور خوبیوں والا ہے، اس کا وجود اس کی ذات کالازمہ ہے، اُس کے بغیر کسی چیز کا کوئی وجود نہیں، وہ ہمیشہ سے اور ہمیشہ ہمیش عظمت و بزرگی، اور جمال وکمال کے خوبیوں سے متصف ہے، اور ہمیشہ سے ہمیشہ ہمیش احسان و کرم سے معروف ہے۔

چنانچہ اس کی بات حق ہے، اس کا کام حق ہے، اس کی ملاقات حق ہے، اس کے رسول حق ہیں، اس کی کتابیں حق ہیں، اس کا دین ہی حق ہے، اس وحدہ لاشریک کی عبادت حق ہے، اور اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز حق ہے[1]۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ هُوَ ٱلْبَٰطِلُ وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْعَلِيُّ ٱلْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾﴾ [الحج:٦٢]۔

یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بیشک اللہ ہی بلندی والا کبریائی والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکھف:٢٩]۔

اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمُ ٱلْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ ٱلْحَقِّ إِلَّا ٱلضَّلَٰلُ ۖ﴾

(۱) تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، ۵/ ۶۳۱-۶۳۲، قدرے تصرف کے ساتھ۔

[یونس:۳۲]۔

سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾﴾ [الاسراء:۸۱]۔

اور اعلان کر دے کہ حق آچکا اور ناحق نابود ہو گیا۔ یقیناً باطل تھا بھی نابود ہونے والا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾﴾ [النور:۲۵]۔

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے (اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے۔

چنانچہ اللہ کے عظیم اوصاف حق ہیں، اُس کے افعال ہی حق ہیں، اس کی عبادت ہی حق ہے، اس کا وعدہ حق ہے، اس کی دھمکی اور حساب سراپا عدل ہے جس میں کوئی ظلم وزیادتی نہیں [1]۔

(۱) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، ۵/ ۴۰۵، وتفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۷۷۔

⑧④ الجميلُ (حسین،خوبصورت)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشاد گرامی ہے:

”إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ“(۱)۔

یقیناً اللہ خوبصورت ہے، خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات، اپنے اسماء، اپنے صفات، اور اپنے افعال میں خوبصورت ہے، کسی مخلوق کے لئے اللہ کی ذات کے معمولی جمال کی تعبیر بھی ممکن نہیں، حتیٰ کہ اہل جنت باوجودیکہ وہ ایسی دائمی نعمتوں اور لذت وسرور اور بے پناہ خوشیوں میں ہوں گے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، جب اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اُس کے جمال سے لطف اندوز ہوں گے تو اپنی نعمتیں بھول جائیں گے، اور ان کی بے پناہ خوشیاں عنقا ہوجائیں گی، اور تمنا کریں گے کہ کاش یہی حالت ہمیشہ باقی رہتی اور وہ اللہ کے جمال ونور سے کچھ کسب فیض کرکے اپنا حسن وجمال دوبالا کرلیتے! اور ان کے دل اللہ کے دیدار کے لئے ہمیشہ شوق وجستجو میں، اور اس کے لئے لپکتے رہیں گے، اور اس مزید ”دیدار الٰہی“ کے دن سے اس قدر شاداں وفرحاں ہوں گے، جیسے ان ہی دل ہی اڑ جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی اپنے ناموں میں خوبصورت ہے؛ کیونکہ تمام ہی اسماء نہایت عمدہ اور حسین ہیں، بلکہ مطلق طور پر سب سے عمدہ اور خوبصورت نام ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ فَٱدۡعُوهُ بِهَاۖ ﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، حدیث (۹۱)۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا ٦٥﴾ [مریم:٦٥]۔

کیا تیرے علم میں اس کا ہمنام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے؟

چنانچہ سارے اسماء حمد وثناء، بزرگی اور کمال کی انتہا پر دلالت کرتے ہیں، اللہ کا کوئی نام کمال وغیر کمال میں تقسیم نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اوصاف میں بھی خوبصورت ہے؛ کیونکہ اللہ کے تمام اوصاف کمال کے ہیں، اور ساری خوبیاں حمد وثنا کی ہیں، چنانچہ یہ اوصاف سب سے زیادہ وسیع، عام اور سب سے زیادہ تعلق والے ہیں، بالخصوص رحمت، احسان، کرم اور سخاوت و فیاضی کے اوصاف۔

اسی طرح اللہ کے تمام تر افعال بھی خوبصورت اور حسین ہیں، کیونکہ اللہ کے افعال کی دو ہی حالتیں ہیں، وہ یا تو احسان و کرم کے افعال ہیں جن پر حمد وثناء کی جاتی ہے اور اس کا شکر بجالایا جاتا ہے، یا تو عدل و انصاف کے افعال ہیں جن پر اللہ کی حمد کی جاتی ہے' کیونکہ وہ حکمت و دانائی اور حمد کے موافق ہیں، لہٰذا اللہ کے افعال میں کوئی لغو، نادانی، فضول، اور ظلم نہیں ہے، بلکہ سارے افعال سراپا خیر و بھلائی، ہدایت، رحمت، نیکی اور عدل و انصاف ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ٥٦﴾ [هود:٥٦]۔

یقیناً میرا رب بالکل صحیح راہ پر ہے۔

چنانچہ اللہ کے کمال، جس پر کوئی اللہ کی ثناء کا شمار نہیں کرسکتا' کے سبب اللہ کے افعال

کامل ومکمل ہوئے، اوراس کے نتیجہ میں اس کے احکام وفیصلے سب سے عمدہ اور بہترین ٹھہرے، اوراللہ کی تخلیق وکاریگری سب سے عمدہ تخلیق وکاریگری ہے' اللہ عزوجل نے پختہ اور مضبوط کاریگری فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿صُنْعَ ٱللَّهِ ٱلَّذِىٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ﴾ [النمل: ۸۸]۔

یہ ہے صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔

اور عمدہ تخلیق فرمائی، ارشاد باری ہے:

﴿ٱلَّذِىٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُۥ﴾ [السجدة: ۷]۔

جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٥٠﴾ [المائدة: ۵۰]۔

اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

ساری کائنات طرح طرح کے حسن و جمال پر مشتمل ہے، اوران کا جمال اللہ کے دم سے ہے، اُسی نے انہیں جمال سے آراستہ کیا ہے اور حسن وخوبصورتی بخشا ہے، لہٰذا اللہ حسن و جمال کا اُن سے زیادہ حقدار ہے' کیونکہ جمال عطا کرنے والا جمال کا زیادہ حقدار ہوا کرتا ہے، چنانچہ دنیا و آخرت کا ہر حسن و جمال پوشیدہ اور ظاہری ہے، بالخصوص وہ بے پایاں حسن و جمال جو اللہ تعالیٰ جنت کے مرد وخواتین کو عطا فرمائے گا، کہ اگر حور عین کی ایک کلائی دنیا میں ظاہر ہوجائے تو وہ آفتاب کی ضوفشانی کو ایسے ہی ماند کردے گی جیسے آفتاب ستاروں کی روشنی کو ماند کردیتا ہے، بھلا کیا جس نے انہیں یہ حسن و جمال بخشا ہے اور اُن پر اس حسن و کمال کا احسان فرمایا ہے' اُن سے زیادہ ایسے جمال کا مستحق نہیں' جس کے مثل کوئی چیز نہ ہو؟ چنانچہ

یہ ایک واضح عقلی دلیل ہے اس عظیم مسئلہ اور اللہ کی دیگر صفات کے سلسلہ میں جس کے مقدمات مسلم ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلۡمَثَلُ ٱلۡأَعۡلَىٰۚ﴾ [النحل:٦٠]۔

اللہ کے لیے تو بہت ہی بلند صفت ہے۔

لہٰذا مخلوقات میں جو بھی کمال موجود ہے اس میں نقص وعیب لازم نہیں آسکتا، کیونکہ اس کا عطا کرنے والا یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ لینے والے کے بالمقابل اُس کا زیادہ مستحق ہے، بایں طور کہ اُس میں اور اُن میں سرے سے کوئی نسبت نہیں، جیسے ان کی ذاتوں کو اللہ کی ذات سے کوئی نسبت نہیں، اور ان کی صفات کو اللہ کی صفات سے کوئی نسبت نہیں، کیونکہ جس ذات نے انہیں سماعت، بصارت، زندگی، علم، قدرت اور حسن و جمال بخشا ہے وہ اُس کا اُن سے زیادہ حقدار ہے، اور کوئی اللہ کے جمال وخوبروئی کی تعبیر کیونکر کرسکتا ہے جبکہ اُس کے بارے میں مخلوق میں سب سے زیادہ علم والے نے کہہ دیا ہے:

’’لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ‘‘(١)۔

تیری تمام حمد وثنا کرنا میرے بس میں نہیں، تو ویسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا ہے:

’’حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ‘‘(٢)۔

---

(١) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، حدیث (۴۸۶)۔

(٢) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ: إن اللہ لا ینام، حدیث (۱۷۹)۔

اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی ضوفشانیاں اس کی منتہائے نگاہ تک کی ساری مخلوقات کو جلا کر رکھ دیں گی۔

لہٰذا اللہ کی ذات ان باتوں سے نہایت پاک اور منزہ ہے جو اس کے کمال کی نفی کرنے والے ظالم اُس کے بارے میں کہتے ہیں، اور ان پر اللہ کے غضب اور خسارے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اللہ کی معرفت تک رسائی اور اُس کی محبت سے حاصل ہونے والی فرحت وانبساط سے محروم ہیں[1]۔

حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ، يَجْعَلُونَ لَهُ الْوَلَدَ، وَهُوَ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ''[2]۔

کوئی تکلیف دہ بات سن کر اس پر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اللہ کے لئے اولاد قرار دیتے ہیں، وہ پھر بھی انہیں عافیت میں رکھتا ہے اور روزی دیتا ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:

''قَالَ اللَّهُ تعالى: كَذَّبَنِي ابْنُ ادَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، وَشَتَمَنِي ابْنُ ادَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا

(۱) توضیح الحق المبین فی شرح توحید الانبیاء والمرسلین من الکافیۃ الشافیۃ، از شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی، ص ۲۹-۳۲، معمولی تصرف کے ساتھ۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ۝٥٨﴾ [الذاریات: ۵۸] حدیث (۷۳۷۸)، وصحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین وأحکامھم، باب لا أحد أصبر علی أذی من اللہ عزوجل، حدیث (۲۸۰۴)۔

بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا، وَأَنَا الأَحَدُ الصَّمَدُ،لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفْئًا أَحَدٌ''[۱]۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدم کے بچہ نے مجھے جھٹلایا، حالانکہ یہ اسے زیب نہیں دیتا، اور اس نے مجھے گالی دی، جبکہ یہ اس کے لئے روا نہیں۔اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ: وہ کہتا ہے کہ جیسے میں نے اسے آغاز میں پیدا کیا ہے' دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کرسکتا۔ حالانکہ آغاز تخلیق میرے لئے دوبارہ تخلیق سے آسان نہ تھا، اور اس کی گالی یہ ہے کہ: وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے، حالانکہ میں اکیلا' بے نیاز ہوں، جنا ہوں نہ جنا گیا ہوں، اور نہ میرا کوئی ہمسر اور مقابل ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر' خواہ فرمانبردار ہو یا گنہ گار' روزیوں کی برکھا برساتا ہے، جبکہ گنہ گار ہمیشہ اللہ سے لڑنے، اُسے جھٹلانے، اُس کے رسولوں کو جھٹلانے اور اس کے دین کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اُن کے اقوال وافعال پر بڑا حلیم و بردبار ہے، وہ پے درپے برائیاں کرتے رہتے ہیں اور وہ ان پر نعمتیں نچھاور کرتا رہتا ہے، اور اس کا صبر نہایت کامل صبر ہے، کیونکہ وہ کمال قدرت، مخلوق سے کمال بے نیازی اور کمال رحمت واحسان کے باوجود ہے، لہٰذا بڑا بابرکت ہے وہ مہربان پروردگار جس کے مثل کوئی چیز نہیں' جو صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ہر معاملہ میں ان کی مدد فرماتا ہے[۲]۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ الاخلاص، حدیث (۴۹۷۴)۔

(۲) الحق الواضح المبین، ص ۵۷-۵۸، معمولی تصرف کے ساتھ۔

۸۵ اَلرَّفِيْقُ (نرمی کرنے والا)

یہ صفت صحیح حدیث میں وارد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

"إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ"[1]۔

اللہ تعالیٰ نرمی برتنے والا ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے، اور نرمی پر وہ چیزیں عطا فرماتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا، اور جو اس (نرمی) کے علاوہ پر نہیں دیتا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں نرمی برتنے والا ہے، اُس نے ساری مخلوقات کو اپنی حکمت ونرمی کے مطابق بتدریج بستہ بستہ پیدا کیا ہے، حالانکہ وہ انہیں ایک ہی دفعہ اور ایک ہی لمحہ میں پیدا کرنے پر قادر ہے۔

اور جو مخلوقات پر غور کرے گا اور ساتھ ہی شریعت کے احکامات پر غور کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کیسے رفتہ رفتہ احکامات دیتا ہے' وہ بڑی عجیب وغریب چیز دیکھے گا، چنانچہ ایک سنجیدہ آدمی جو کائنات میں اللہ کی سنتوں کو اپناتے ہوئے اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے؛ کہ یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ اور طریقہ تھا' معاملات کو نرمی، سکون اور وقار سے انجام دے گا، اُس کے معاملات آسان ہو جائیں گے، بالخصوص وہ شخص جو لوگوں کو حکم دینے، منع کرنے اور انہیں رہنمائی کرنے کا حاجتمند ہو، اس کے لئے تو شفقت ونرمی نہایت ناگزیر ہے، اسی

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، حدیث (۲۵۹۳)، اور پہلا ٹکڑا صحیح بخاری میں بھی ہے، کتاب استتابۃ المرتدین، باب إذا عرض الذمی وغیرہ بسب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث (۶۹۲۷)۔

طرح وہ شخص جسے لوگ گھناؤنی باتوں سے تکلیف پہنچا رہے ہوں، اور وہ ان کے ساتھ گالی گلوچ کرنے سے اپنی زبان محفوظ رکھ لے اور نہایت نرمی وملائمت سے اپنا دفاع کرلے، اُس سے اُن کی ایذارسانیاں اس قدر دور ہوجائیں گی جتنی اُن کے بالمقابل اُنہی جیسے اقوال وافعال سے نہیں ہوسکیں گی، اور ساتھ ہی اُسے راحت واطمینان نیز سنجیدگی، وقار اور بردباری بھی حاصل ہوگی (۱)۔

اور جب بندے اللہ سے فریاد کرتے ہیں تو وہ ان کی فریاد رسی کرتا ہے، چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے روز ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔۔۔ پھر اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مال تباہ ہوگئے، اور راستے بند ہوگئے، لہٰذا اللہ سے دعا کردیجئے کہ ہمیں سیراب کردے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور پھر فرمایا:

"اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا، اللَّهُمَّ أَغِثْنَا" (۲)۔

اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ! ہم پر بارش برسا، اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔

تو اللہ تعالیٰ مشکلوں اور دشواریوں میں اپنے بندوں کی فریاد رسی کرتا ہے، اور تمام مخلوقات کے معاملات جب دشوار ہوجاتے ہیں اور وہ مصیبتوں اور مشکلوں میں گھر جاتے ہیں تو وہی ان کی فریادرسی کرتا ہے: بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے، ننگے کو کپڑا پہناتا ہے، مصیبت زدہ کو چھٹکارا دلاتا ہے، اور حاجت وضرورت کے وقت ان پر بارش برساتا ہے، اسی طرح حسرت

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۳۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ غیر مستقبل القبلۃ، حدیث (۱۰۱۴)، وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء، حدیث (۸۹۷)۔

زدوں کی فریاد سنتا ہے، یعنی حسرت والم، مشکل اور مجبوری کی حالت میں دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے، لہٰذا جو اللہ سے فریاد کرے گا اللہ اس کی فریاد رسی فرمائے گا۔

اور کتاب وسنت میں مصیبتیں ٹالنے، دشواریوں کا ازالہ کرنے اور مشکل کو آسان کرنے کا ذکر بکثرت موجود ہے، جو معروف ہے [(۱)]۔

۸۶ الحیی (حیا کرنے والا)

۸۷ السِّتّیر (پردہ پوشی کرنے والا)

یہ صفت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

"إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَيِيٌّ كَرِيمٌ، يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا" [(۲)]۔

بے شک تمہارا رب تبارک وتعالیٰ بڑا باحیا اور سخی ہے، جب اس کا بندہ اس کی جانب اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتا ہے تو اسے شرم آتی ہے کہ انہیں خالی (نامراد) واپس لوٹا دے۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۶۷۔

(۲) سنن ابو داود، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث (۱۴۸۸)، وجامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ۱۰۴، حدیث (۳۵۵۶)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب رفع الیدین فی الدعاء، حدیث (۳۸۶۵)، ومسند احمد، ۵/ ۴۳۸، ومستدرک حاکم، ۱/ ۴۹۷، اور کہا ہے کہ: "اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے"۔ اور امام ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: "یہ حدیث حسن غریب ہے"۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع (۱۷۵۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔

نیز ارشاد گرامی ہے:

''إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ''[1]۔

بیشک اللہ عزوجل بڑا باحیا خوب پردہ کرنے والا ہے، حیاء اور پردہ کو پسند کرتا ہے، اس لئے جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو پردہ کرلے۔

یہ اللہ کی رحمت، اس کے کرم، اس کے کمال اور اس کی حلم و بردباری کا نتیجہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا سخت محتاج ہونے کے باوجود اُس کے سامنے کھلے عام گناہ کرتا ہے، حتیٰ کہ اس کے لئے اللہ کی نعمتوں کے ذریعہ قوت حاصل کئے بغیر گناہ کرنا بھی ممکن نہیں' جبکہ رب سبحانہ وتعالیٰ اپنی ساری مخلوق سے کمال بے نیازی کے باوجود' اپنے احسان و کرم سے اُسے بے نقاب اور رسوا کرنے اور سزا دینے سے شرماتا ہے، چنانچہ اس کے لئے پردہ پوشی کے اسباب مہیا فرما کر' اُس پر پردہ ڈال دیتا ہے، اسے معاف کردیتا ہے اور اس کی مغفرت فرمادیتا ہے، چنانچہ وہ نعمتوں کے سبب' اللہ کے بندوں کی نگاہوں میں محبوب بنا رہتا ہے اور وہ لوگ گناہوں کے سبب اُس کی نگاہ میں مبغوض ہوتے ہیں، بندوں پر اللہ کی خیر و بھلائی کا سلسلہ لمحوں کی تعداد میں جاری رہتا ہے، اور ان کی شرارتیں اللہ کے طرف چڑھتی رہتی ہیں' اور معزز فرشتہ ان کی برائیاں اور بدیاں لے کر اللہ کی جانب چڑھتا رہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اسلام کی حالت میں بال سفید ہونے والوں کو عذاب دینے سے

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب الحمام، باب النهی عن التعری، حدیث (۴۰۱۲) وسنن نسائی، کتاب الغسل، باب الاستتار عند الاغتسال، حدیث (۴۰۴)، ومسند احمد، ۴/ ۲۲۴، والسنن الکبری للبیہقی، ۱/ ۱۹۸، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع (حدیث ۱۷۶)، اور ارواء الغلیل (۲۳۳۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

شرماتا ہے، نیز جو اپنے ہاتھوں کو اللہ کی طرف بڑھاتا ہے اُسے خالی لوٹانے شرماتا ہے، وہ اپنے بندوں کو خود سے دعا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ان سے قبولیت کا وعدہ فرماتا ہے، وہ بڑا پاکباز اور پردہ دار ہے، حیاء اور پردہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر بھی پردہ ڈالتا ہے؛ اور اسی لئے بندہ کے گناہ کرنے کے بعد اس کا چرچا کرنے کو ناپسند کرتا ہے، بلکہ اپنے اور اُس کے درمیان اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے‘ اسے لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں فرماتا، اور اللہ کے نزدیک ایک سب سے مبغوض شخص وہ ہے جو رات میں گناہ کرے اور اللہ اس پر پردہ ڈال دے‘ پھر صبح اٹھ کر وہ اپنے آپ سے اللہ کا پردہ فاش کر دے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾﴾ [النور:۱۹]۔

جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانے کے آرزومند رہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہیں، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

اور یہ ساری چیزیں اللہ کے نام ”الحلیم“ کا معنیٰ ہیں‘ جس کی بردباری کافروں، فاسقوں اور گنہ گاروں کو وسیع ہے، اور اللہ نے اپنی سزا کو ظالموں پر فوری اترنے سے روک رکھا ہے، چنانچہ اللہ انہیں مہلت دیتا ہے تاکہ توبہ کر لیں، لیکن اگر وہ اپنی حرکتوں پر قائم اور سرکشی پر اڑے رہیں گے‘ اللہ کی طرف رجوع نہ کریں گے‘ تو اللہ انہیں یونہی نہ چھوڑے گا[1]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۵۴-۵۵۔

⑧⑧ الْإِلٰهُ (معبود حقیقی)

اللہ کا نام ’’الالٰہ‘‘ تمام صفات کمال اور اوصاف جمال کا جامع ہے، اللہ کے تمام اسماء حسنیٰ اس نام میں داخل ہیں؛ اور اسی لئے صحیح قول یہی ہے کہ ’’اللہ‘‘ کی اصل ’’الالٰہ‘‘ ہے اور ’’اللہ‘‘ نام تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کا جامع ہے، واللہ اعلم (۱)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ سُبْحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾﴾ [النساء:۱۷۱]۔

اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

---

(۱) الحق الواضح المبین، ص ۵۴-۵۵۔

⑧⑨ القابض (تنگ کرنے والا)

⑨⓪ الباسط (کشادہ کرنے والا)

⑨① المعطی (عطا کرنے والا)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾﴾ [البقرة: ۲۴۵]۔

اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ...“[۱]۔

بیشک اللہ تعالیٰ ہی چیزوں کو ارزاں مہنگا کرنے والا، روزی تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا روزی رساں ہے۔

نیز ارشاد ہے:

”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَاللَّهُ الْمُعْطِي وَأَنَا الْقَاسِمُ“[۲]۔

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب البیوع والاجارات، باب فی التسعیر، حدیث (۳۴۵۱)، وسنن ترمذی، کتاب البیوع، باب فی التسعیر، حدیث (۱۳۱۴)، وسنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب من کرہ أن یسعر، حدیث (۲۲۰۰)، ومسند احمد، ۳/ ۱۵۶، نیز اسے امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے، اسی طرح علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع (حدیث ۱۸۴۶) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) بخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً.. (۷۱)، ومسلم، کتاب الزکاۃ، باب النہی عن المسالۃ، (۱۰۳۷/ ۱۰۰)۔

جس کے ساتھ اللہ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے، اور اللہ ہی دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ...'' الحدیث[1]۔

بیشک اللہ عزوجل نہیں سوتا' اور نہ ہی سونا اس کے شایانِ شان ہے' وہ عدل کو پست و بلند کرتا ہے' اس کی طرف رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے بلند کیا جاتا ہے۔

اور عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ٱللَّهُمَّ مَٰلِكَ ٱلْمُلْكِ تُؤْتِي ٱلْمُلْكَ مَن تَشَآءُ وَتَنزِعُ ٱلْمُلْكَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ ٱلْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾﴾ [آل عمران:۲۶]۔

آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''إن اللہ لا ینام'' حدیث (۱۷۹)۔

''إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ اخَرِينَ''[۱]۔

بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بلند کرتا ہے، اور اسی کے ذریعہ دوسروں کو پست کرتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد جب لوگوں کی طرف منہ پھیرتے تھے تو فرماتے تھے:

''لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الجَدِّ مِنْكَ الجَدُّ''[۲]۔

اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جسے تو دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں، اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دینے والا کوئی نہیں، اور کسی مالدار کو اس کا مال و دولت تیری بارگاہ میں کوئی نفع نہ دے گا۔

ایک دوسرے کے مقابل ناموں کے اِن اوصاف کریمہ کے ذریعہ ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملائے بغیر اللہ کی ثناء کرنا مناسب نہیں؛ کیونکہ اللہ کا کمال مطلق دونوں

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ، حدیث (۸۱۷)، وسنن ابن ماجہ، المقدمۃ، باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ، حدیث (۲۱۸)، وسنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب إن اللہ یرفع بھذا الکتاب أقواماً ویضع بہ آخرین، حدیث (۳۳۶۸)۔

(۲) بخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث (۸۴۴)، ومسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، حدیث (۵۹۳)۔

صفتوں کے اکٹھا ہونے میں ہے، چنانچہ وہ روزیوں، روحوں اور جانوں کو قبض کرنے اور سمیٹنے والا ہے، روزیوں، رحمتوں اور دلوں کو کشادہ کرنے والا ہے، وہی علم وایمان پر قائم قوموں کو بلندی عطا کرنے والا ہے، اپنے دشمنوں کو پست کرنے والا ہے، اور وہی اپنے اطاعت گزاروں کو عزت بخشنے والا ہے، اور یہی حقیقی عزت ہے؛ کیونکہ اللہ کا مطیع وفرمانبردار عزت والا ہوتا ہے' اگرچہ وہ بظاہر فقیر ہو'اس کے مددگار نہ ہوں، اور وہی اپنے گنہ گاروں اور دشمنوں کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ کیونکہ گنہ گار اگرچہ بظاہر عزت کے مظاہر میں دکھائی دے رہا ہو' لیکن اس کا دل ذلت و رسوائی سے بھرا ہوتا ہے' گرچہ نفسانی خواہشات میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے اُسے اُس کا شعور نہ ہو؛ کیونکہ ساری عزت اللہ کی اطاعت میں اور ذلت وخواری اُس کی معصیت ونافرمانی میں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُهِنِ ٱللَّهُ فَمَا لَهُۥ مِن مُّكْرِمٍ﴾ [الحج:١٨]۔

جسے رب ذلیل کردے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعِزَّةَ فَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ [فاطر:١٠]۔

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِۦ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [المنافقون:٨]۔

سنو! عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان داروں کے لیے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی روکنے دینے والا ہے، وہ جسے نہ دے کوئی دینے والا نہیں، اور جسے

دے اُسے کوئی روکنے والانہیں، اور یہ ساری چیزیں اللہ کے عدل،حکمت اورحمد کے تابع ہیں؛ کیونکہ اللہ جسے پست، رسوااورمحروم کرتا ہے' اُس میں اس کی حکمت ہوتی ہے، اللہ پرکسی کی کوئی حجت نہیں، اسی طرح وہ جسے بلند کرتا، عطا کرتااوراس کے لئے بھلائیوں کے خزانے کھولتا ہے' اُس پر اللہ کا محض فضل ہوتا ہے، اس لئے بندے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی حکمت کا اعتراف کرے، نیز اُس کے فضل واحسان کا بھی اعتراف کرے اوراپنی زبان، دل اوراعضاء وجوارح سے اس کا شکر بجالائے۔

اورچونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان چیزوں میں اکیلا اورمنفرد ہے'اور یہ ساری چیزیں اللہ کی تقدیر کے تحت چلتی ہیں' اس لئے اللہ نے بندے کو بلند کرنے، عطا کرنے اوراس کی تکریم کے اسباب بنائے ہیں، اسی طرح اس کی ضد کے بھی اسباب بنائے ہیں' جو ان چیزوں کو انجام دیتا ہے' اُس کا نتیجہ اورانجام مرتب ہوتا ہے، اورجسے جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے' اُسے اس کے لئے آسان کردیا گیا ہے، چنانچہ سعادتمندوں کو سعادتمندوں کے کام کے لئے آسان کیا جاتا ہے، اوربدبختوں کو بدبختوں کے کام کے لئے آسان کیا جاتا ہے، اوریہ چیز بندے پر واجب کردیتی ہے کہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو پانے کے لئے اللہ کی توحید بجالائے'اوراپنے رب پر اعتماد رکھے، اورنفع بخش اسباب انجام دینے میں خوب محنت کرے، کیونکہ یہی اللہ کی حکمت کا مقام ہے[1]۔

(۱) الحق الواضح المبین، ص۸۹-۹۰۔

⑨② المُقَدِّمُ (آگے کرنے والا)

⑨③ المُؤَخِّرُ (پیچھے کرنے والا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان اپنی آخری دعاؤں میں یہ دعاء بھی پڑھا کرتے تھے:

’’اللهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ‘‘(۱)۔

اے اللہ! میرے ان گناہوں کو بخش دے جو میں نے آگے بھیجا اور جو پیچھے کیا، جو چھپا کر کیا اور جو اعلانیہ کیا، اور جو میں نے حد سے تجاوز کیا، اور جس کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے، تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔

’’المقدم‘‘ اور ’’المؤخر‘‘ جیسا کہ گزر چکا ہے‘ اللہ کے دوہرے ہم مقابل ناموں میں سے ہیں‘ جس میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملائے بغیر کسی ایک کا اللہ پر اطلاق نہیں کیا جائے گا؛

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، حدیث (۷۷۱)، وصحیح بخاری (اس سے قریب قریب) کتاب الدعوات، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اللھم اغفرلی ماقدمت وما أخرت‘‘، حدیث (۶۳۹۸)، البتہ اس میں: ’’تشہد اور سلام کے درمیان‘‘ کا ذکر نہیں ہے۔

کیونکہ کمال ان دونوں کے اکٹھا ہونے میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جسے چاہتا ہے آگے بڑھاتا اور جسے چاہتا ہے پیچھے کر دیتا ہے۔

اور یہ آگے بڑھانا کونی طور پر ہوتا ہے، جیسے کسی مخلوق کو کسی سے آگے بڑھانا اور کسی کو کسی سے پیچھے کرنا، اور اسی طرح اسباب کو ان کے مسببات سے آگے رکھنا، نیز شروط کو مشروطات سے آگے رکھنا وغیرہ۔

اور اللہ کی تخلیق اور تقدیر میں آگے پیچھے کرنے کی قسمیں ایک سمندر ہے جس کا ساحل نہیں، اور یہ چیز شرعی بنیاد پر بھی ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور انہیں آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اپنے بعض بندوں کو دیگر پر فضیلت دی ہے، اور انہیں علم، ایمان، عمل، اخلاق اور دیگر تمام خوبیوں میں آگے بڑھایا ہے، اور ان میں سے بعض کو ان میں سے کسی چیز میں پیچھے بھی رکھا ہے، اور یہ ساری چیزیں اللہ کی حکمت کے تابع ہیں۔

یہ دونوں اور ان جیسی دیگر صفات اللہ کی ذاتی صفات میں سے بھی ہیں، کیونکہ دونوں اللہ کی ذات سے وابستہ ہیں اور اللہ ان دونوں سے متصف ہے، اور فعلی صفات میں سے بھی ہیں؛ کیونکہ تقدیم وتاخیر مخلوقات کی ذات، ان کی صفات، افعال، معانی، اور اوصاف سے متعلق ہیں، اور یہ چیزیں اللہ کے ارادہ اور قدرت سے وجود پاتی ہیں۔

لہٰذا باری تعالیٰ کی صفات کی صحیح تقسیم یہی ہے، اور بلاشبہ ذاتی صفتیں ذات سے متعلق ہیں اور اللہ کی فعلی صفتوں سے ذات متصف ہے اور ان چیزوں سے متعلق ہے جن سے اقوال وافعال وجود پاتے ہیں [1]۔

---

(۱) الحق الواضح المبین فی شرح توحید الانبیاء والمرسلین، ص ۱۰۰۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ﴾ [الانعام:۱۷]۔

اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًۢا ۚ بَلْ كَانَ ٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًۢا ﴿١١﴾ ﴾ [الفتح:۱۱]۔

آپ جواب دے دیجئے کہ تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا بھی اختیار کون رکھتا ہے اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو، بلکہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ خوب باخبر ہے۔

اور نقصان اور نفع کی صفتیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ہم مقابل دوہرے اسماء میں سے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دینی و دنیوی منافع پہنچانے والا ہے، اور نقصان کے موجب اسباب اپنانے والوں کو نقصان پہنچانے والا ہے، اور یہ ساری چیزیں اللہ کی حکمت، کونی سنتوں اور ان اسباب کے تابع ہیں جنہیں اللہ نے ان کے مسببات تک پہنچانے والا بنایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے کچھ مقاصد اور دین و دنیا میں کچھ محبوب و پسندیدہ چیزیں بنائی ہیں اور ان کے کچھ اسباب و وسائل اور راستے بھی بنائے ہیں اور ان پر چلنے کا حکم دیا ہے، اور انہیں اپنے بندوں کے لئے حد درجہ آسان کیا ہے، لہٰذا جو اُن راہوں پر چلے گا وہ انہیں نفع بخش مقصد تک پہنچائیں گی، اور جو انہیں چھوڑ دے گا یا ان میں سے کچھ راہوں کو چھوڑ دے گا، یا ان کا کمال چھوڑ دے گا' یا ان پر ناقص طریقہ سے

آئے گا جس سے مطلوبہ کمال چھوٹ جائے، تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے، اللہ پر اس کی کوئی حجت نہیں، کیونکہ اللہ نے اسے کان، آنکھ، دل، اور قوت وطاقت دی ہے، اسے دونوں راہوں کی رہنمائی کی ہے اور اس کے لئے اسباب اور مسببات کی وضاحت کی ہے، اور دین و دنیا کی خیر وبھلائی تک رسائی کے کسی راستے سے اسے منع نہیں کیا ہے، اس لئے اس کا ان امور سے پیچھے رہ جانا اس بات کا موجب ومتقاضی ہے کہ وہ ملامت زدہ ہو اور ان کے ترک پر اس کی مذمت ہو۔

اور جان لو کہ افعال کے تمام صفات ان تین صفات سے متعلق ہیں اور انہی سے صادر ہوتے ہیں: کامل ومکمل قدرت، نافذ مشیت وارادہ اور بھرپور شامل حکمت، اور یہ تمام صفات اللہ سے وابستہ ہیں، اور اللہ ان سے متصف ہے، اور ان کے آثار وتقاضے پوری کائنات میں اُن سے صادر ہونے والے امور ہیں، جیسے تقدیم وتاخیر، نفع وضرر، نوازش ومحرومی، بلندی وپستی، ان میں محسوس کی جانے والی اور عقل سے سمجھی جانے والی چیزوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور نہ ہی دینی ودنیوی چیزوں میں۔ چنانچہ ان اسماء کے افعالی صفات ہونے کا یہ معنیٰ ہے، نہ کہ جو باطل پرست اہل کلام نے گمان کر رکھا ہے (۱)۔

۹۴ المُبِينُ (واضح، روشن، عیاں)

"المبین": أبان یُبین سے اسم فاعل ہے، جب کوئی چیز ظاہر اور واضح ہو جائے، خواہ قولی طور پر یا فعلی طور پر۔

(۱) توضیح الکافیۃ الشافیہ، از شیخ عبدالرحمٰن السعدی ص ۱۳۱-۱۳۲۔

اور ''البینۃ'' واضح دلالت و رہنمائی کو کہتے ہیں، خواہ عقلی ہو یا محسوس، اور ''البیان'' کسی چیز کو کھولنے اور نمایاں کرنے کو کہتے ہیں ۔۔۔ اور کلام کو بیان اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ مقصد کو کھولتا اور عیاں کرتا ہے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

﴿هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۳۸]۔

عام لوگوں کے لئے تو یہ (قرآن) بیان ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے لئے ہدایت کا راستہ روشن کرنے والا اور جن اعمال کی انجام دہی پر وہ ثواب کے مستحق ہوں اور جن کاموں پر وہ عذاب کے مستحق ہوں گے اس کی وضاحت کرنے والا ہے، اور نیز انہیں جو کرنا ہے اور جو چھوڑنا ہے اللہ نے اسے واضح فرما دیا ہے، کہا جاتا ہے: أبان الرجل في كلامه ومنطقه فهو مبين، یعنی آدمی نے اپنے کلام و گفتگو میں واضح کیا، لہٰذا وہ واضح گفتگو کرنے والا ہے، اور بیان: کے معنیٰ گفتگو اور بات چیت کے ہیں، اور اسی طرح کہا جاتا ہے: بان الكلام وأبان فهو مبين، دونوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں، یعنی واضح اور نمایاں کرنے والا[1]، اور اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی ''المبین'' رکھا ہے، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾﴾ [النور: ۲۵]۔

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے (اور وہی) ظاہر کرنے والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے بندوں کے لئے ہدایت کی راہیں واضح کی ہیں اور انہیں

---

(۱) دیکھئے: مفردات القرآن، از راغب اصفہانی ص ۶۸، ۶۹، واشتقاق الاسماء، از زجاجی، ص ۱۸۰۔

چوکنا کیا ہے، نیز ان کے سامنے ضلالت وگمراہی کے راستوں کی بھی وضاحت کی ہے، اور انہیں سمجھانے بُجھانے کے لئے' اُن کی طرف رسول بھیجے ہیں اور کتابیں اتاری ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ ٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِى ٱلْكِتَٰبِ أُو۟لَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾﴾ [البقرة:١٥٩]۔

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

یہ ان لوگوں کے لئے سخت دھمکی ہے جنہوں نے صحیح مقاصد اور دلوں کے لئے نفع بخش ہدایت کے سلسلہ میں رسولوں کی لائی ہوئی واضح رہنمائیوں کو چھپایا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل کردہ اپنی کتابوں میں اسے بیان کر دیا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَقَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا ٱللَّهُ أَوْ تَأْتِينَآ ءَايَةٌ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَٰبَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١١٨﴾﴾ [البقرة:١١٨]۔

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ تعالیٰ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی، ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے ہم نے تو یقین والوں کے

لئے نشانیاں بیان کر دیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْأٓيَٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُونَ ٢٦٦﴾ [البقرة:٢٦٦]۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوبَ عَلَيۡكُمۡۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٞ ٢٦﴾ [النساء: ٢٦]۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے، اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٞ وَكِتَٰبٞ مُّبِينٞ ١٥ يَهۡدِي بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضۡوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذۡنِهِۦ وَيَهۡدِيهِمۡ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ١٦﴾ [المائدة:١٥-١٦]۔

تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور

اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کرنور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ٱنظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ثُمَّ ٱنظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝٧٥﴾ [المائدۃ: ۷۵]۔

آپ دیکھئے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجئے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝١٨﴾ [النور: ۱۸]۔

اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں بیان فرمارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کے لئے شرعی احکام بیان فرماتا اور اُن کی وضاحت کرتا ہے، اسی طرح قدری حکمتیں بیان فرماتا ہے، اور وہ بندوں کی مصلحتوں کا جاننے والا اور اپنی شریعت وتقدیر میں حکمت و دانائی والا ہے(۱)، چنانچہ وہ دوررس حکمت اور فیصلہ کن حجت والا ہے۔

نیز اللہ کا ارشاد ہے:

﴿كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَـٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝١٠٣﴾ [آل عمران: ۱۰۳]۔

اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

نیز ارشاد ہے:

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۲۷۴۔

﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ إِذْ هَدَىٰهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾﴾ [التوبۃ: ۱۱۵]۔

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بعد میں گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچیں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریم اور مبنی بر عدل فیصلہ کے بارے میں بتلا رہا ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک گمراہ نہیں کرتا جب تک اُنہیں اپنا پیغام نہیں پہنچا دیتا' تا کہ اُن پر حجت قائم ہو چکی ہو[۱]۔

۹۵ المنّان (خوب عطا کرنے والا)

المنان: اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے رکھا ہے، چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا:

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ [وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ] الْمَنَّانُ، [يَا] بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ''۔

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۲/۳۹۶۔

اے اللہ! میں تجھ سے اس وسیلہ سے مانگتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے ہیں لئے ہیں، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں [تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں] تو عطا کرنے والا، آسمانوں اور زمین کو بلا نمونہ ابتداءً پیدا کرنے والا ہے، اے بزرگی اور کرم والے، اے زندہ تھامنے والے، اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''لَقَدْ سَأَلَ اللَّهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى، وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ''(۱)۔

یقیناً اس نے اللہ سے اُس کے عظیم ترین نام کے وسیلہ سے سوال کیا ہے، کہ جب اس وسیلہ سے مانگا جائے تو دیتا ہے اور جب اس کے ذریعہ دعا کی جائے تو قبول فرماتا ہے۔

امام ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ ''النھایۃ فی غریب الحدیث'' میں فرماتے ہیں: ''المنان'' کے معنیٰ انعام کرنے اور دینے والے کے ہیں، یہ ''المن''، بمعنیٰ عطاء سے ہے، نہ کہ ''المنۃ''، بمعنیٰ احسان جتلانے سے۔ اور ''المن'' عربوں کے کلام میں زیادہ تر کسی پر احسان کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، جس سے ثواب اور بدلہ مطلوب نہ ہو، لہٰذا ''المنان''

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب الوتر، باب الدعاء، حدیث (۱۴۹۳-۱۴۹۵)، وجامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی جامع الدعوات عن النبی ﷺ، حدیث (۳۴۷۵)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اسم اللہ الاعظم، حدیث (۳۸۵۷، ۳۸۵۸)، امام ترمذی فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے''، نیز دیکھئے: صحیح سنن نسائی، از علامہ البانی، ۱/ ۲۷۹، وصحیح ابن ماجہ، ۲/ ۳۲۹، وصفۃ صلاۃ النبی ﷺ، از علامہ البانی ص ۲۰۴۔

مبالغہ کا صیغہ ہے۔۔۔ جیسے ''الوھاب''[۱]۔

اور اسی سے صحیح بخاری وغیرہ میں مروی حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، وَلَكِنْ خُلَّةُ الإِسْلاَمِ أَفْضَلُ''[۲]۔

یقیناً لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا اپنی جان اور مال کے سلسلہ میں مجھ پر ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ احسان ہو، اور اگر مجھے لوگوں میں سے کسی کو اپنا جگری دوست بنانا ہوتا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جگری دوست بناتا، لیکن اسلام کا یارانہ سب سے افضل ہے۔

اور ''إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ'' کا معنیٰ سب سے زیادہ جان و مال خرچ کرنے والے کے ہیں، یہ وہ ''احسان جتلانے والا'' احسان نہیں ہے''[۳]۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ عطا کرنے اور دینے کے معنیٰ میں المنان ہے، اور المنان: کا معنیٰ سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے؛ کیونکہ اسی نے زندگی، عقل، گویائی عطا کی ہے، عمدہ صورت بنائی ہے، بے پایاں انعام کیا ہے، نعمتیں نچھاور کی ہے، اور خوب نوازشات کی ہیں''[۴]۔

اللہ نے ارشاد فرمایا، اور اس کا فرمان حق ہے:

---

(۱) النھایۃ فی غریب الحدیث، از امام ابن الاثیر، ۴/ ۳۶۵۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخوخۃ والممر فی المسجد، حدیث (۴۶۷)، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل أبي بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، حدیث (۲۳۸۲)۔

(۳) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، از حافظ ابن حجر، ۱/ ۵۵۸۔

(۴) الاسماء والصفات، از امام بیہقی، ۱/ ۱۲۰۔

﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَظَلُومٞ كَفَّارٞ ٣٤﴾[ابراہیم: ۳۴]۔

اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے۔ یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اور ایک عظیم ترین نعمت، بلکہ ساری نعمتوں کی بنیاد جس کا اللہ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے، وہ اس رسول ﷺ کی بعثت کا احسان ہے، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو گمراہی سے نجات دلائی ہے اور ہلاکت سے حفاظت فرمائی ہے[1]، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ بَعَثَ فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ١٦٤﴾[آل عمران: ۱۶۴]۔

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

چنانچہ اللہ ہی نے اپنے بندوں پر پیدائش، روزی رسانی، جسمانی صحت، اور وطنی امن وسکون کا احسان کیا ہے، اور ان پر ظاہری و باطنی نعمتیں نچھاور کی ہیں، اور ایک سب سے بڑی، کامل اور سب سے نفع بخش نعمت – بلکہ ساری نعمتوں کی اصل اور جڑ – اسلام کی ہدایت اور

(۱) تفسیر علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ۱/ ۴۴۹۔

ایمان کا احسان ہے، اور یہ ہر چیز سے افضل ہے[1]۔

اور فرمان باری: ﴿لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ﴾ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان اور تصدیق کرنے والوں پر اپنا فضل و احسان کیا ہے، اور ''المنان'' کے معنیٰ فضل و احسان کرنے والے کے ہیں''[2]۔

اور ''المنۃ'' کے معنیٰ عظیم نعمت کے ہیں۔ علامہ اصفہانی فرماتے ہیں: المنۃ: بھاری نعمت کو کہتے ہیں جس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ ہے کہ وہ نعمت فعلی ہو، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''من فلان علی فلان'' فلاں نے فلاں پر احسان کیا، جب وہ اُسے نعمت سے بوجھل کر دے، اور اسی قبیل سے اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿لَقَدۡ مَنَّ ٱللَّهُ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]۔

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے۔

نیز یہ ارشاد ہے:

﴿كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبۡلُ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيۡكُمۡ فَتَبَيَّنُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٗا ۝٩٤﴾ [النساء: ۹۴]۔

پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

---

(۱) دیکھئے: تفسیر علامہ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ، ۱/ ۱۴۲۔

(۲) الاسماء والصفات، از امام بیہقی، ۱/ ۴۹۔

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ۝١١٤﴾ [الصافات: ۱۱۴]۔

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) پر بڑا احسان کیا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰٓ ۝٣٧﴾ [طٰہٰ: ۳۷]۔

ہم نے تو تجھ پر ایک بار اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ ۝٥﴾ [القصص: ۵]۔

پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم انہیں کو پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَىٰنَا عَذَابَ ٱلسَّمُومِ ۝٢٧﴾ [الطور: ۲۷]۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں تیز و تند گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ﴾ [ابراہیم: ۱۱]۔

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

اور یہ تمام چیزیں درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہیں، چنانچہ اللہ ہی نے اپنے بندوں پر ان عظیم نعمتوں کا احسان کیا ہے، لہٰذا تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، یہاں تک کہ وہ

خوش ہو جائے، اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں خوش ہونے کے بعد بھی اور دنیا و آخرت میں تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔

دوسری قسم: یہ ہے کہ وہ احسان قولی و زبانی ہو۔ اور یہ لوگوں کے مابین بہت بری چیز ہے، اور اس کی برائی ہی کی وجہ سے کہا گیا ہے: کہ احسان جتانا کام کو مٹا دیتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ ﴾ [الحجرات:۱۷]۔

اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔

چنانچہ اُن پر اللہ کا احسان فعلی ہے، یعنی انہیں اسلام کی ہدایت دینا[۱]، اور اُن کا احسان قولی ہے جو مذموم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کتاب میں اس مذموم احسان یعنی زبانی احسان جتانے کی مذمت کی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾ ﴾ [المدثر:۶]۔

اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں[۲]: ”اپنے عمل کے ذریعہ اپنے رب

---

(۱) المفردات فی غریب القرآن، از علامہ اصفہانی ص ۴۷۴۔

(۲) تفسیر ابن کثیر، ۴/ ۲۴۲۔

پر احسان نہ کرو جس سے تمہیں زیادہ کی خواہش ہو“۔اور اس کے علاوہ بھی باتیں کہی گئی ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَآ أَنفَقُوا۟ مَنًّا وَلَآ أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾ ۞ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَآ أَذًى ۗ وَٱللَّهُ غَنِىٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٦٤﴾ ﴾

[البقرۃ: ۲۶۲-۲۶۴]۔

جولوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے۔ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر، اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے، ان ریاکاروں کو

اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو (سیدھی) راہ نہیں دکھاتا۔

اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عطیہ پر احسان جتانے کی مذمت فرمائی ہے، ارشاد ہے:

"ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" قَالَ: فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالَ أَبُو ذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: **"الْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ"**[(۱)]۔

تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا"۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تین بار دہرائی۔ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو ناکام و نامراد ہوئے، اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: "ٹخنے سے نیچے اپنا کپڑا لٹکانے والا، احسان جتانے والا اور اپنا سامان جھوٹی قسمیں کھا کر بیچنے (یا ترویج کرنے) والا۔

لہٰذا یہ (جتانا) مذموم احسان ہے، البتہ وہ احسان جو عطا کرنے، نوازنے اور سخاوت کرنے کے معنیٰ میں ہے وہ محمود اور قابل ستائش ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ ہی وہ احسان کرنے والا ہے جس کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے دیکھنے والا ہے، اور وہ عظیم نوازشات والا ہے، اسی نے زندگی، عقل، گویائی عطا کی ہے، نیز عمدہ صورت بنائی ہے، بے پایاں انعام کیا ہے، اور خوب نوازشات کی ہیں، اسی طرح

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الازار والمن بالعطیة، حدیث (۱۰۶)۔

اپنے فضل و کرم سے رسولوں کو بھیج کر، کتابیں نازل فرما کر اور انہیں تاریکیوں سے روشنی میں لا کر اُن پر احسان فرمایا ہے، اور اپنے تمام بندوں پر پیدائش، روزی رسانی، اور صحت کا اور اپنے مومن بندوں کے لئے امن و سلامتی کا احسان فرمایا ہے۔

اسی طرح اپنے بندوں کے بکثرت گناہ و معاصی کے باوجود اُن پر نعمتوں کی برکھا برساتا ہے۔

تو اے اللہ! ہم پر ایمان کی نعمت کا احسان فرما، ہماری حفاظت فرمایا اور ہمیں ہر بھلائی بھرپور عطا فرما، ہم سے ہر برائی کو پھیر دے، تمام معاملات میں ہمارا انجام نیک بنا، اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچا، اے کرم کرنے والے، اے خوب عطا کرنے والے، اے عظمت و بزرگی والے، اے زندہ، اے تھامنے والے، اے آسمان و زمین کو بلا نمونہ وجود بخشنے والے، اے تنہا، اکیلے جس نے کسی کو جنا' نہ جنا گیا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر اور مقابل ہے۔

۹۶ اَلْوَلِیُّ (ذمہ دار، مددگار، دوست)

ولی: کا لفظ ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو کسی معاملہ کا ذمہ دار یا دیکھ بھال کرنے والا ہو' اسی طرح مددگار، محبت کرنے والے، دوست، حلیف (معاہدہ کے تحت مددگار)، داماد، پڑوسی، ماتحت، آزاد کرنے والے، اور اطاعت کرنے والے کو بھی ولی کہا جاتا ہے، کہتے ہیں: مومن اللہ کا ولی ہے، اور بارش بارش کے بعد گرتی ہے، ایسے ہی ولی دشمن کے ضد (دوست کو) بھی کہتے ہیں، نیز مدد کرنے والے اور ساری دنیا اور تمام مخلوقات کے معاملات

کے ذمہ دار کو بھی ولی کہتے ہیں، اور اسی طرح یتیم کے سرپرست کو ولی، اور امیر کو والی کہا جاتا ہے[۱]۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

’’الولاء‘‘ اور ’’التوالی‘‘ کا لفظ جگہ کے اعتبار سے، نسب کے اعتبار سے، دین کے اعتبار سے، دوستی اور سچائی کے اعتبار سے، مدد کے اعتبار سے اور عقیدہ کے اعتبار سے قربت کے لئے بولا جاتا ہے، اور ولایۃ مدد کو بھی کہتے ہیں اور معاملات کی ذمہ داری اور نگرانی کو بھی ۔۔۔ اور ولی اور مولیٰ یہ دونوں الفاظ بھی اسی میں استعمال ہوتے ہیں، اور دونوں میں سے ہر لفظ فاعل کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی موالی، اور مفعول کے معنیٰ میں بھی یعنی موالیٰ، اور مومن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: وہ اللہ کا ولی ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے[۲]۔

البتہ اللہ عزوجل کی ولایت دیگر ولایتوں کی طرح نہیں ہے، ارشاد باری ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ۝١١﴾ [الشوریٰ:۱۱]۔

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ ولی ہے جو دنیا اور ساری مخلوقات کے معاملات کا ذمہ دار ہے، وہی تدبیر و انتظام کا مالک ہے، وہ ایسا سرپرست ہے جس نے اپنی مخلوق کو اُن کی دنیا و آخرت میں نفع بخش چیزیں عطا فرمائی ہیں‘‘[۳]۔

---

(۱) النہایۃ فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر، ۵ / ۲۲۷، والمعجم الوسیط ص ۱۰۵۸، والقاموس المحیط ص ۱۷۳۲، والمصباح المنیر ص ۶۷۲، ومختار الصحاح ص ۳۰۶۔

(۲) المفردات فی غریب القرآن، از علامہ اصفہانی ص ۵۳۳۔

(۳) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ۴ / ۱۱۶، و ۱ / ۲۷۷، وتفسیر علامہ سعدی، ۶ / ۶۱۷، و ۶ / ۵۹۵۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس نام ''الولی'' سے موسوم کیا ہے، لہٰذا وہ اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ أَمِ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۖ فَٱللَّهُ هُوَ ٱلۡوَلِيُّ وَهُوَ يُحۡيِ ٱلۡمَوۡتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ٩ ﴾ [الشوریٰ:۹]۔

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کارساز ہے وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِي يُنَزِّلُ ٱلۡغَيۡثَ مِنۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُواْ وَيَنشُرُ رَحۡمَتَهُۥۚ وَهُوَ ٱلۡوَلِيُّ ٱلۡحَمِيدُ ٢٨ ﴾ [الشوریٰ:۲۸]۔

اور وہی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے وہی ہے کارساز اور قابل حمد و ثنا۔

لہٰذا اللہ عزوجل وہ ولی ہے جس سے اس کا بندہ اس کی عبادت، اطاعت اور حسب امکان نیکیوں کے ذریعہ اس کی قربت کی بنیاد پر اُس سے دوستی اور محبت رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تدبیر اور ان میں اپنی تقدیر کی تنفیذ وغیرہ کے ذریعہ عمومی طور پر اُن کی نگرانی اور دیکھ ریکھ فرماتا ہے، اور مختلف قسم کی تدبیروں کے ذریعہ اپنے بندوں کی نگہداشت رکھتا ہے۔

اسی طرح اپنے مومن بندوں کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لا کر اُن کی خصوصی نگہبانی فرماتا ہے، اپنے لطف و کرم سے ان کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے، ان کے تمام امور میں ان کی مدد کرتا ہے، اور اپنی توفیق سے ان کی تائید فرماتا ہے اور انہیں درستی پر قائم رکھتا ہے،

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد ہے:

﴿ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَوْلِيَآؤُهُمُ ٱلطَّٰغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ ٱلنُّورِ إِلَى ٱلظُّلُمَٰتِۗ أُوْلَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿٢٥٧﴾﴾ [البقرة:٢٥٧]۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍۖ وَٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلْمُتَّقِينَ ﴿١٩﴾﴾ [الجاثية:١٩]۔

ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا کارساز اللہ تعالیٰ ہے۔

لہٰذا اللہ عزوجل مومنوں کا معاون ومددگار ہے، اپنی مدد اور توفیق سے ان کی دیکھ بھال کرتا ہے اور انہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور کی طرف لاتا ہے۔۔ اور دراصل اس نے کفر کے لئے تاریکیوں کو مثال بنایا ہے؛ کیونکہ جس طرح تاریکیاں چیزوں کی پرکھ اور اثبات سے نگاہوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں، اسی طرح کفر بھی ایمان کے حقائق کی جانکاری اور اس کی اور اس کے اسباب کی درستی کی معرفت کے سامنے دلوں کی نگاہوں

پر پردہ ڈال دیتا ہے، لہٰذا اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو بتلایا کہ وہ مومنوں کا ولی ہے، انہیں ایمان کی حقیقت، اس کی راہوں، اس کے احکام، اور اس کی دلیلوں کو اُنہیں دکھانے والا ہے، اور انہیں شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے والے دلائل کی ہدایت و رہنمائی کرنے والا ہے، بایں طور کہ اُن سے کفر کے اسباب زائل کردے گا اور دلوں کی نگاہوں کے پردوں کو چاک کردے گا[1]۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور ایمان کے تقاضوں کی انجام دی اور اس کے منافی ہر چیز کو چھوڑ کر اپنے ایمان کی تصدیق کی، اللہ اُن کا ولی ہے، ان پر اپنی خاص نگہداشت رکھتا ہے، اور ان کی دیکھ بھال کا اہتمام کرتا ہے، چنانچہ انہیں جہالت، کفر، معاصی، غفلت اور اعراض وسرکشی کے اندھیروں سے نکال کر علم، یقین، ایمان، اطاعت اور اپنے رب سے مکمل وابستگی کے نور کی طرف لاتا ہے۔ اور وحی وایمان کا نور ودیعت فرما کر اُن کے دلوں کو منور فرماتا ہے، ان کے لئے نیکی کا راستہ آسان فرماتا ہے اور انہیں دشواری سے بچاتا ہے نیز ان کے لئے نفع بخش چیزیں فراہم کرتا ہے اور ان سے تکلیفیں دور کرتا ہے، چنانچہ وہ نیک کاروں سے محبت رکھتا ہے اور ان کی دیکھ ریکھ فرماتا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ وَلِـِّۧيَ ٱللَّهُ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡكِتَٰبَۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى ٱلصَّٰلِحِينَ ١٩٦﴾ [الأعراف:۱۹۶]۔

یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

---

(۱) تفسیر علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ، معمولی تصرف کے ساتھ، ۳/ ۱۴۔

یعنی جن کی نیتیں اور باتیں سب نیک ہیں، چنانچہ جب انہوں نے ایمان اور تقویٰ کے ذریعہ اللہ سے محبت کی، اور اُس کے علاوہ جنہیں نفع وضرر کا کائی اختیار نہیں، سے کوئی دوستی نہ رکھی، تو اللہ نے انہیں اپنا دوست رکھا، ان پر لطف و کرم کیا، اور دین و دنیا میں خیر وبھلائی اور مصلحت کی چیزوں میں ان کی مدد فرمائی، اور ان کے ایمان کے سبب اُن سے ہر ناپسندیدہ معاملہ کو دفع کیا(۱)، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُدَٰفِعُ عَنِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ﴾ [الحج:۳۸]۔

سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے۔

البتہ جن لوگوں نے کفر کیا، جب اپنے حقیقی مددگار کے علاوہ کی ولایت میں ہو گئے تو اللہ نے انہیں انہی کے سپرد کر دیا جنہیں انہوں نے خود منتخب کیا، اور انہیں بے مدد چھوڑ دیا، اور انہیں اُن کی دیکھ ریکھ کے سپرد کر دیا جن کے پاس نفع ونقصان کا کوئی اختیار نہیں، چنانچہ انہوں نے انہیں گمراہ کر دیا، بد بخت بنا دیا، علم نافع اور عمل صالح کی ہدایت سے محروم کر دیا، اور انہیں جنت کی دائمی سعادت سے محروم کر دیا اور جہنم ان کا ٹھکانہ بن گئی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اے اللہ جن کی تو نے مدد فرمائی ہے ہمیں ان میں شامل فرما(۲)۔

اللہ عزوجل اپنے اولیاء سے محبت کرتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی درستی فرماتا ہے، اور اللہ کا ولی وہ ہے جو اللہ کا علم رکھنے والا، اس کی اطاعت کا پابند، اس کی عبادت میں مخلص اور اُس کی نافرمانی سے دور رہو۔

---

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی، معمولی تصرف کے ساتھ، ۱/ ۳۱۸، و ۳/ ۱۳۲، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۳۱۲۔

(۲) تفسیر علامہ عبد الرحمن السعدی، ۱/ ۳۱۸، نیز دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۳۱۲، والاسماء والصفات، از امام بیہقی، ۱/ ۱۲۳، تحقیق عماد الدین احمد۔

اور جو اللہ کے اس دوست سے دشمنی رکھتا ہے، اللہ اُس سے اعلان جنگ کرتا ہے، نبی کریم ﷺ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ اذَنْتُهُ بِالحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ المؤْمِنِ يَكْرَهُ المـوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ“(۱)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں، اور میرا بندہ جن چیزوں سے میری قربت چاہتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ باتیں ہیں جنہیں میں نے اس پر فرض کیا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگے گا تو میں اسے ضرور عطا کروں گا، اور اگر وہ مجھ سے پناہ چاہے گا تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا، اور مجھے اپنے کسی کام میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مومن کی جان سے ہوتا ہے، جو موت کو ناپسند کرتا ہے، اور اسے تکلیف پہنچانا مجھے بھی ناگوار لگتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث ۶۵۰۲۔

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ جب اللہ کا دوست ہوگا تو اللہ اس کی حفاظت کرے گا، اس کی درستی کرے گا اور اُسے توفیق دے گا' تاکہ وہ وہی باتیں سنے جس میں اس کے مولیٰ ومددگار کی رضا ہو، اور وہی چیزیں دیکھے جو اس کے مولیٰ کو محبوب اور پسند ہو، اور اس کے دونوں ہاتھ وہی چیزیں پکڑیں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو، اور اس کے دونوں قدم نیکیوں ہی کی طرف بڑھیں، اس طرح وہ مولیٰ یعنی اللہ عزوجل کی طرف سے باتوفیق، درست، ہدایت یافتہ اور رہنمائی سے معمور رہتا ہے، اسی لئے اہل علم جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کی تشریح اس طرح فرمائی ہے؛ اور اس لئے بھی کہ حدیث کی دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

''فَبِي يَسْمَعُ وَبِي يُبْصِرُ وَبِي يَبْطِشُ وَبِي يَمْشِي''[۱]۔

چنانچہ وہ میری ہی مدد سے سنتا ہے، میری ہی توفیق سے دیکھتا ہے، میری ہی مرضی سے پکڑتا ہے، اور میری ہی چاہت سے چلتا ہے۔

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو توفیق دیتا ہے، اس کی تائید کرتا ہے، اور اس کی مدد کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اُسے ان اعضاو جوارح سے اُنہی نیک کاموں کی توفیق دیتا ہے، اور اپنی ناپسندیدگی کی جگہوں میں پڑنے سے اُسے محفوظ رکھتا ہے[۲]۔

(۱) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، ۱۱/ ۳۴۴۔

(۲) فتح الباری، از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، ۱۱/ ۳۴۴۔

⑨٧ اَلْمَوْلَىٰ (مالک، مددگار، دوست، کارساز)

''المولیٰ'' نام کا اطلاق بہت سارے لوگوں پر ہوتا ہے: جیسے، رب، مالک، آقا، انعام کرنے والا، آزاد کرنے والا، مددگار، محبت کرنے والا، ماتحت، پیروکار، پڑوسی، چچازاد بھائی، حلیف، داماد، غلام، اور جس پر انعام کیا گیا ہو، اور ان میں سے اکثر معانی احادیث میں وارد ہیں، چنانچہ ان میں ہر ایک کو اس حدیث کے تقاضہ کے مطابق منسوب کیا جائے گا' اور جو بھی کسی معاملہ کا ذمہ دار ہوتا ہے یا اس کی نگہداشت رکھتا ہے وہ اُس کا مولیٰ اور ولی ہوتا ہے، اور بسا اوقات ان ناموں کے مصادر مختلف ہوتے ہیں: جیسے الوَلایة- واوَ پر زبر کے ساتھ-نسب، مدد اور آزاد کرنے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔

اور الوِلایة- واوَ پر زیر کے ساتھ- اِمارت کے لئے استعمال ہوتا ہے اور الوَلاء آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں، اور الموالاة: والی القوم سے ہے[1]۔

اور حقیقی مولیٰ اللہ عزوجل ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ۝١١﴾ [الشوریٰ:۱۱]۔

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مولیٰ، رب، مالک، اور آقا وسردار ہے، اُسی سے نصرت ومدد کی امید کی جاتی ہے؛ کیونکہ وہی ہر چیز کا مالک ہے، اُسی نے اپنا یہ نام رکھا ہے، اللہ عزوجل کا

---

(۱) النہایۃ فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر، ۵/ ۲۲۸، نیز دیکھئے: القاموس المحیط، ص ۱۷۸۲، والمعجم الوسیط، ص ۱۰۵۸، والمصباح المنیر، ص ۲/ ۶۷۲۔

ارشاد گرامی ہے:

﴿فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَىٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾﴾ [الحج:۷۸]۔

پس تمہیں چاہئے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَىٰكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾﴾ [الانفال:۴۰]۔

اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ ءَامَنُوا وَأَنَّ الْكَٰفِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿١١﴾﴾ [محمد:۱۱]۔

وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لئے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایمان والوں کا مالک ومولیٰ ہے، وہی ان کا آقا اور ان کے دشمنوں کے خلاف مددگار ہے، وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے[۱]، اللہ تعالیٰ ہی اپنے مومن بندوں کی دیکھ بھال کرتا ہے' ان کی بھلائی کی چیزیں اُن تک پہنچاتا ہے اور اُن کے لئے ان کے دینی ودنیوی منافع آسان فرماتا ہے' اور وہ بڑا اچھا مددگار ہے'' جو

(۱) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، ۴/ ۳۱۰۔

ان کی مدد کرتا ہے، ان سے بدکرداروں کی چالوں اور شرپسندوں کی شرانگیزیوں کا دفاع کرتا ہے، اور اللہ جس کا حامی و مددگار ہو جائے اُسے کسی بات کا ڈر نہیں، اور اللہ جس کے خلاف ہو جائے اُس کی کوئی عزت نہیں، نہ ہی کوئی حمایتی اور سہارا[1]۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی مومنوں کا مددگار ہے، اپنے حسن تدبیر سے ان کی تدبیر فرماتا ہے، وہ اپنے سے دوستی ومحبت رکھنے والے کا بہت اچھا کارساز ہے، چنانچہ اسے اس کا مطلوب عطا کر دیتا ہے اور اپنے سے مدد چاہنے والے کا بہت اچھا مددگار ہے، چنانچہ اس کی تکلیف کو دفع کر دیتا ہے"، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّـٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾﴾ [آل عمران: ۱۵۰]۔

بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔

اور مومنین اپنے رب تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ نے خبر دی ہے:

﴿أَنتَ مَوْلَىٰنَا فَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴿٢٨٦﴾﴾ [البقرۃ: ۲۸۶]۔

تو ہی ہمارا مالک ہے، ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔

یعنی تو ہمارا نگہبان اور مددگار ہے، تجھی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، تجھ سے ہی مدد چاہا ہے، تجھ پر ہی بھروسہ ہے، اور ہمارے پاس تیرے بغیر کوئی قوت وتصرف نہیں[2]۔

نیز ارشاد باری ہے:

---

(۱) دیکھئے: تفسیر علامہ عبدالرحمٰن السعدی، ۳/ ۱۶۸، و ۵/ ۳۳۱، وتفسیر ابن کثیر، ۴/ ۳۱۰، و ۲/ ۲۳۸، و ۱/ ۳۴۴۔

(۲) تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۳۴۴۔

﴿إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوبُكُمَاۖ وَإِن تَظَٰهَرَا عَلَيۡهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوۡلَىٰهُ وَجِبۡرِيلُ وَصَٰلِحُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۖ﴾ [التحریم:۴]۔

(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو (تو بہت بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل جھک پڑے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کروگی پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک اہل ایمان۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿قَدۡ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ أَيۡمَٰنِكُمۡۚ وَٱللَّهُ مَوۡلَىٰكُمۡۖ وَهُوَ ٱلۡعَلِيمُ ٱلۡحَكِيمُ ۝٢﴾ [التحریم:۲]۔

تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قسموں کو کھول ڈالنا مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہی (پورے) علم والا حکمت والا ہے۔

اور جب ابوسفیان نے صحابہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''ہمارے پاس تو عزیٰ ہے تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں''، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو رہنمائی فرمائی، اور کہا:

''قُولُوا: اللَّهُ مَوْلاَنَا، وَلاَ مَوْلَى لَكُمْ''[1]۔

تم بھی کہو: اللہ ہمارا مالک و مددگار ہے، تمہارا تو کوئی مددگار نہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب وعقوبة من عصى إمامه، حدیث (۳۰۳۹)، وکتاب المغازی، باب غزوة أحد، حدیث (۴۰۴۳)۔

⑨⑧ النَّصِيرُ (مدد کرنے والا، قابل اعتماد)

النصیر: فعیل کے وزن پر فاعل یا مفعول کے معنیٰ میں ہے؛ کیونکہ دو باہم مدد کرنے والوں میں ایک ''ناصر'' یعنی مدد کرنے والا ہوتا ہے اور دوسرا ''منصور'' جس کی مدد کی جاتی ہے، اور ''نصرہ ینصرہ نصراً'' کے معنیٰ ہیں کسی کے دشمن کے خلاف اُس کی مدد کی اور سخت رویہ اپنایا(۱)۔

اور ''النصیر'': یعنی مددگار درحقیقت وہ ہے جو اتنا قابل اعتماد ہو کہ وہ اپنے ولی کو دشمن کے سپرد نہ کرے، اور نہ ہی اسے بے سہارا چھوڑے(۲)۔

اور اللہ عزوجل مددگار ہے، اور اس کی مدد مخلوق کی مدد جیسی نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ ١١﴾ [الشوریٰ:۱۱]۔

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

نیز اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيٗا وَنَصِيرٗا ٣١﴾ [الفرقان:۳۱]۔

اور تیرا رب ہی ہدایت کرنے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِأَعۡدَآئِكُمۡۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَلِيّٗا وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ نَصِيرٗا

---

(۱) النهایة فی غریب الحدیث، از ابن الاثیر، ۵/ ۶۴۔

(۲) الاسماء والصفات، از امام بیہقی، بتحقیق شیخ عماد الدین احمد، ۱/ ۱۲۷-۱۲۸۔

﴿٤٥﴾ [النساء:۴۵]۔

اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کا مددگار ہونا بس ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِٱللَّهِ هُوَ مَوۡلَىٰكُمۡۖ فَنِعۡمَ ٱلۡمَوۡلَىٰ وَنِعۡمَ ٱلنَّصِيرُ ٧٨﴾ [الحج:۷۸]۔

اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ مَوۡلَىٰكُمۡۚ نِعۡمَ ٱلۡمَوۡلَىٰ وَنِعۡمَ ٱلنَّصِيرُ ٤٠﴾ [الانفال:۴۰]۔

تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے وہ بہت اچھا کارساز ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ مددگار ہے جو اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿إِن يَنصُرۡكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡۖ وَإِن يَخۡذُلۡكُمۡ فَمَن ذَا ٱلَّذِي يَنصُرُكُم مِّنۢ بَعۡدِهِۦۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ١٦٠﴾ [آل عمران:۱۶۰]۔

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر

بھروسہ رکھنا چاہئے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَنصُرُواْ ٱللَّهَ يَنصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ أَقۡدَامَكُمۡ ۝٧﴾ [محمد:۷]۔

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُومُ ٱلۡأَشۡهَٰدُ ۝٥١﴾ [غافر:۵۱]۔

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَيَوۡمَئِذٖ يَفۡرَحُ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ۝٤ بِنَصۡرِ ٱللَّهِۚ يَنصُرُ مَن يَشَآءُۖ وَهُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ۝٥﴾ [الروم:۴-۵]۔

اس روز مسلمان شادمان ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اصل غالب اور مہربان وہی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝٤٠﴾ [الحج:۴۰]۔

جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾﴾ [الروم:۴۷]۔

ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾﴾ [الحج:۱۵]۔

جس کا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد دونوں جہان میں نہ کرے گا وہ اونچائی پر ایک رسہ باندھ کر (اپنے حلق میں پھندہ ڈال کر اپنا گلا گھونٹ لے) پھر دیکھ لے کہ اس کی چالاکیوں سے وہ بات ہٹ جاتی ہے جو اسے تڑپا رہی ہے؟

یہ اور ان جیسی دیگر آیات سے اللہ عزوجل کا اپنے بندے کی مدد کرنا واضح ہے، چنانچہ جو اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کرتا ہے، اعانت فرماتا ہے اور اس کی درستی فرماتا ہے۔ ہاں بندے کے اللہ کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے مومن بندوں کی مدد کرے، اللہ کے حقوق بجالائے، اس کے عہد و پیمان کی رعایت کرے، اس کے احکام کو اپنائے اور اپنے آپ پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے دور رہے، یہ بندے کا اپنے رب کی مدد کرنا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ

مَن يَنصُرُهُۥ وَرُسُلَهُۥ بِٱلۡغَيۡبِۚ إِنَّ ٱللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٞ ﴿٢٥﴾ [الحديد: ٢٥]۔

اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت وقوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ جان لے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد بے دیکھے کون کرتا ہے، بیشک اللہ قوت والا اور زبردست ہے۔

اور جو اللہ کی اطاعت اور اللہ کی معصیت سے دوری کے ذریعہ اللہ کی مدد کرے گا اللہ اُس کی پرزور مدد فرمائے گا[1]۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کی اُن کے دشمنوں کے خلاف مدد کرتا ہے، اور انہیں ان باتوں سے آگاہ کرتا ہے جن سے وہ چوکنا رہیں، اور جو دشمنوں کے خلاف ان کے حق میں معاون ہوں، چنانچہ اللہ کی ولایت ومحبت میں بھلائی کا حصول ہے اور اس کی مدد میں شر وبرائی کا خاتمہ ہے[2]۔

اور نبی کریم ﷺ جب غزوہ کرتے تو فرماتے تھے:

"اللَّهُمَّ أَنْتَ عَضُدِي وَنَصِيرِي، بِكَ أَحُولُ، وَبِكَ أَصُولُ، وَبِكَ أُقَاتِلُ"[3]۔

اے اللہ! تو میرا سہارا اور میرا مددگار ہے، میں تیرے ہی ذریعہ دشمن کا فریب ٹالتا ہوں، تیرے ہی ذریعہ دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے، اور تیرے ہی ذریعہ لڑتا ہوں۔

---

(۱) دیکھئے: مفردات القرآن، از علامہ اصفہانی ص ۴۹۵۔

(۲) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی، ۲/ ۶۷۔

(۳) سنن ابو داود، کتاب الجہاد، باب مایدعی عند اللقاء، حدیث (۲۶۲۳)، وجامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی الدعاء إذا غزا، حدیث (۳۵۸۴)، اور فرمایا کہ: "یہ حدیث حسن غریب ہے"، نیز دیکھئے: صحیح ترمذی، از علامہ البانی، ۳/ ۱۸۳۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے مومن بندوں کی مدد کرتا رہا ہے پرانے دور میں بھی اور نئے دور میں بھی، اور اُنہیں اذیت پہنچانے والوں سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا رہا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهُ بِالحَرْبِ“[1]۔

جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، اہل رس، قوم لوط، اہل مدین اور رسولوں کو جھٹلانے والے اور حق کی مخالفت کرنے والے ان جیسے دیگر لوگوں کو ہلاک و برباد کر دیا، اور اللہ نے انہی کے درمیان ایمان والوں کو نجات عطا فرمائی، ان میں کسی کو ہلاک نہ کیا، اور کافروں کو عذاب میں گرفتار کیا تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین، جھٹلانے والوں اور دشمنوں کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدد فرمائی، اور اپنے کلمۂ توحید ہی کو سب سے بلند و برتر، اور اپنے دین ہی کو سارے ادیان پر غالب کر دیا۔۔ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوئے، اور دین اسلام روئے زمیں کے مشرق و مغرب میں پھیل گیا[2]۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مدد کرنے والوں کی نصرت و تائید کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا جو اللہ کے دین کی پابندی، اس کی دعوت، اس کے دشمنوں سے جہاد کے ذریعہ اللہ کی مدد کرے گا، اور اس کا مقصود اللہ کی رضا ہوگا اللہ عزوجل اس کی مدد اور حمایت کرے گا اور اسے قوت عطا فرمائے گا، اور یہ وعدہ اللہ کا ہے جو بڑا کریم، نہایت سچی بات اور عمدہ گفتگو والا ہے، چنانچہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث (۶۵۰۲)۔

(۲) تفسیر ابن کثیر، ۴/ ۸۴۔

اس نے وعدہ کیا ہے کہ جو اپنے اقوال و افعال سے اللہ کی مدد کرے گا' اُس کا مولا اس کی مدد فرمائے گا، اور ثابت قدمی وغیرہ کے ذریعہ اُس کی فتح و نصرت کے اسباب آسان فرمائے گا[1]۔

اور اللہ جن لوگوں کی مدد کرے گا اُن کی نشانیاں اللہ نے بیان کر دی ہیں، لہٰذا جو اللہ اور اس کے دین کی مدد کا دعویٰ کرے اور ان صفات اور خوبیوں سے متصف نہ ہو' وہ جھوٹا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَقَوِىٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾ ﴾ [الحج: ۴۰-۴۱]۔

جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

چنانچہ یہ علامت ہے اس کی جو اللہ کی مدد کرے گا اور اللہ اس کی مدد فرمائے گا[2]۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا مددگار بننے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوٓا۟ أَنصَارَ ٱللَّهِ ﴾ [الصف: ۱۴]۔

---

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمن السعدی، ۶/ ۶۶۔

(۲) دیکھئے: تفسیر علامہ عبد الرحمن السعدی، ۵/ ۳۰۲۔

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔

اور اللہ کے دین کی مدد میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو سیکھنا، اس پر لوگوں کو ابھارنا اور بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا وغیرہ شامل ہے[1]۔

⑨⑨ الشَّافِي (شفا دینے والا)

عربی زبان میں شفاء بیماری سے ٹھیک ہونے کو کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے: شفاہ اللہ یشفیہ، اللہ نے اُس کی بیماری ٹھیک کر دی، اور ''اشتفی'' اُسی سے باب افتعال ہے، یعنی اُسے جسموں کی شفایابی سے دلوں اور طبیعتوں کی شفایابی کی طرف منتقل کر دیا[2]۔

اور اللہ تعالیٰ ہی شفا دینے والا ہے، چنانچہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی کسی بیوی کو رقیہ کرتے تو اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

''اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهِبِ البَاسَ، اشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِي، لاَ شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا''[3]۔

اے اللہ! لوگوں کے رب تکلیف دور فرما، اسے شفا عطا فرما، کہ شفا دینے والا تو ہی ہے، تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء نہیں، ایسی شفا دے کہ کوئی بیماری باقی نہ چھوڑے۔

---

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمن السعدی، ۷/ ۳۷۴۔

(۲) النہایۃ فی غریب الحدیث، از امام ابن الاثیر، ۲/ ۴۸۸، نیز دیکھئے: مختار الصحاح ص ۱۴۴۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ النبی ﷺ، حدیث (۵۷۴۳)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب رقیۃ المریض، حدیث (۲۱۹۱)۔

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ثابت بنانی رحمہ اللہ سے، جب انہوں نے اُن سے شکایت کی تو، کہا: کیا میں تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رقیہ نہ کردوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! تو انہوں نے فرمایا:

''اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، مُذْهِبَ البَاسِ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لاَ شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ، شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا''(۱)۔

اے اللہ! لوگوں کے رب تکلیف دور کرنے والے، اسے شفا عطا فرما، کہ شفا دینے والا تو ہی ہے، تیری شفاء کے علاوہ کوئی شفاء دینے والا نہیں، ایسی شفا دے کہ کوئی بیماری باقی نہ چھوڑے۔

چنانچہ بیماریوں، روگوں اور شکوک وشبہات سے شفا دینے والا اللہ ہی ہے، اور اس شفاء کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: معنوی روحانی شفاء، یعنی دل کی بیماریوں سے شفاء۔

دوسری قسم: مادی شفاء، یعنی جسمانی بیماریوں سے شفاء۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دونوں قسموں کا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

''مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً''(۲)۔

اللہ نے جو بھی بیماری اتاری ہے، اس کی شفاء بھی اتاری ہے۔

پہلی قسم: دلوں اور روحوں کی شفاء۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث (۵۷۴۲)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما أنزل اللہ داء إلا أنزل لہ شفاء، حدیث (۵۶۷۸)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُم مَّوۡعِظَةٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٞ لِّمَا فِي ٱلصُّدُورِ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٞ لِّلۡمُؤۡمِنِينَ ٥٧ ﴾ [یونس:۵۷]۔

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لیے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔

موعظت (نصیحت): یعنی قرآن کریم میں آئی ہوئی' فحاشیوں بے حیائیوں پر ڈانٹ ڈپٹ، اور اللہ کی ناراضگی کو واجب کرنے والے اور اس کے عذاب کو دعوت دینے والے اعمال سے ڈراوا، اور نصیحت: شوق دلانے اور ڈرانے کے اسلوب میں حکم دینے اور منع کرنے کو کہتے ہیں، اور اس قرآن کریم میں شکوک وشبہات اور نفسانی خواہشات وغیرہ سینوں کی بیماریوں سے شفایابی اور اُن میں موجود ناپاکیوں اور میل کچیل کا ازالہ ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ترغیب وترہیب (شوق دلانا اور ڈرانا)، نیک وعدے اور دھمکیاں ہیں' اور یہ چیزیں بندے کے لئے شوق وجستجو اور ڈر کی موجب ہیں، اور جب بندے کے اندر نیکی کا شوق اور برائی سے نفرت موجود ہوگی اور قرآن کریم کے معانی کی تکرار کی بنیادوں پر دونوں چیزیں پروان چڑھتی جائیں گی، تو یہ چیز اللہ کی چاہت کو نفس کی چاہت پر مقدم کرنے کی موجب ہوگی، اور بندے کے نزدیک اللہ کو راضی کرنے والی چیزیں اپنی خواہش نفس سے زیادہ محبوب ہوجائیں گی۔ اسی طرح قرآن کریم میں ایسے دلائل و براہین ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے بیان کیا ہے، اور بطریق احسن وضاحت کی ہے' ان میں حق میں عیب لگانے والے شبہات کا ازالہ ہے، اور اس سے دل یقین کے اعلیٰ مقامات تک پہنچ

جاتا ہے۔ اور جب دل کی اپنے بیماری ٹھیک ہوجاتی ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہوجاتے ہیں، کیونکہ ان کی درستی دل کی درستی پر اور اُن کا بگاڑ دل کے بگاڑ پر موقوف ہوتا ہے۔

یہ قرآن کریم مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت بھی ہے، البتہ یہ ہدایت اور رحمت تصدیق کرنے والے مومنوں ہی کے لئے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾﴾ [الاسراء: ۸۲]۔

یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هُدًى وَشِفَآءٌ ۖ وَٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾﴾ [فصلت: ۴۴]۔

آپ کہہ دیجئے! کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں تو (بہراپن اور) بوجھ ہے اور یہ ان پر اندھاپن ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو کسی بہت دور دراز جگہ سے پکارے جارہے ہیں۔

چنانچہ ہدایت سے مراد حق کا علم اور اس پر عمل ہے، اور رحمت سے مراد اس قرآن عظیم سے ہدایت یاب ہونے والے کو ملنے والی خیر و بھلائی، احسان اور دنیوی و اخروی اجر وثواب ہے۔

لٰہذا ہدایت نہایت عظیم وسیلہ ہے، اور رحمت سب سے کامل ومکمل مقصد اور چاہت، لیکن اس قرآن سے ہدایت مل سکتی ہے، نہ وہ رحمت ہوسکتا ہے سوائے مومنوں کے حق میں؛ اور جب ہدایت ملے گی اور ہدایت سے پیدا ہونے والی رحمت مل جائے گی تو نیک بختی، نفع، کامیابی اور مسرت وشادمانی سب مل جائے گی؛ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے خوش ہونے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ ٱللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۟ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝٥٨ ﴾ [یونس:۵۸]۔

آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے، وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔

اور قرآن رحمت اور شفاء پر مشتمل ہے، لیکن وہ ہر ایک کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ تمام چیزیں اس پر ایمان لانے والوں کے لئے ہیں، جو اس کی آیتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں۔

لیکن اُس کی تصدیق نہ کرکے یا اُس پر عمل نہ کرکے ظلم کرنے والوں کا اُس کی آیتوں سے خسارہ ہی بڑھے گا، کیونکہ اُسی سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی۔

اور قرآن میں جو شفا ہے وہ دلوں اور جسموں کی بیماریوں اور تکلیفوں سے ہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مومنوں کی رہنمائی فرماتا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هُدًى وَشِفَآءٌ ﴾ [فصلت:۴۴]۔

آپ کہہ دیجئے! کہ یہ تو ایمان والوں کے لئے ہدایت وشفا ہے۔

یعنی انہیں راہ راست، صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے اور انہیں وہ علوم سکھاتا ہے جن

سے مکمل ہدایت ملتی ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اس قرآن کے ذریعہ جسمانی اور قلبی بیماریوں سے شفا عطا فرماتا ہے؛ کیونکہ یہ قرآن برے اخلاق اور گندے اعمال سے سختی سے منع کرتا ہے اور خالص توبہ پر ابھارتا ہے جو گناہوں کو دھو دیں اور دلوں کو شفایاب کر دیں۔

لیکن جو لوگ قرآن کریم پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے کانوں میں اُس کی سماعت سے بہرہ پن اور اینٹھن ہے، اور وہ ان پر اندھا پن ہے، لہٰذا انہیں اس کے ذریعہ راستہ دکھائی دے گا نہ وہ راہ یاب ہوں گے، بلکہ ان کی گمراہی میں ہی اضافہ ہوگا۔

انہیں ایمان کے لئے بلایا جاتا ہے لیکن وہ مانتے نہیں ہیں، اُن کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بہت دور ہو، بلانے والے کی آواز سن سکے نہ منادی کو جواب دے سکے، مقصد یہ ہے کہ جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے ہیں وہ اُس کی ہدایت سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں، نہ اس کی روشنی میں دیکھ پاتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی بھلائی کا فائدہ حاصل کر پاتے ہیں؛ کیونکہ انہوں نے کفر واعراض کے سبب اپنے لئے ہدایت کے دروازے بند کر لئے ہیں[1]۔

اور انسان اس فرمان باری کا مصداق ہر زمانے اور ہر سماج میں پائے گا کہ یہ کچھ لوگوں کے دلوں میں اثر انداز ہوتا ہے، انہیں بناتا اور خاص زندگی دیتا ہے، اور اُن میں اور اُن کے ارد گرد بڑے انقلابات لاتا ہے، جبکہ یہی قرآن کچھ لوگوں کے کانوں اور دلوں پر بوجھ اور بھاری ہو جاتا ہے، اُن کے بہرے پن اور اندھے پن کو مزید بڑھا دیتا ہے، ان کے دل بجھے ہوئے ہیں اس قرآن سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ واضح رہے کہ قرآن نہیں بدلا ہے بلکہ دل

(۱) دیکھئے: تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی، ۳/ ۳۶۳، و ۴/ ۳۰۹، و ۶/ ۵۸۴، وتفسیر ابن کثیر، ۲/ ۴۲۲، و ۳/ ۶۰، و ۴/ ۱۰۴، وتفسیر ابو بکر جابر الجزائری، ۲/ ۲۸۶۔

بدل گئے ہیں [(۱)]۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ مومنوں کے اور اپنے دشمنوں کے خلاف مومنوں کی مدد کر کے اُن کے سینوں کو شفا عطا فرماتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ قَٰتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ ﴾

[التوبۃ: ۱۴-۱۵]۔

ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا، انہیں ذلیل ورسوا کرے گا تمہیں ان پر مدد دے گا اور مسلمانوں کے کلیجے ٹھنڈے کرے گا۔ اور ان کے دل کا غم وغصہ دور کرے گا، اور وہ جس کی طرف چاہتا ہے رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ اللہ جانتا بوجھتا حکمت والا ہے۔

چونکہ یقیناً مومنوں کے دلوں میں اُن کے خلاف سخت غیظ وغضب ہے، اس لئے ان سے لڑنا اور انہیں قتل کرنا مومنوں کے دلوں میں بھرے غم وغصہ کی شفاء ہے؛ کیونکہ وہ ان دشمنوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے والا اور اللہ کے نور کو بجھانے میں کوشاں دیکھتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ اس قسم کی چیزوں کو ان کے دلوں سے ختم کرتا ہے، اور یہ چیز مومنوں سے اللہ کی محبت اور ان کے احوال کی بابت خاص توجہ پر دلالت کرتی ہے [(۲)]۔

---

(۱) فی ظلال القرآن، ۵/ ۳۱۲۸۔

(۲) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی، ۳/ ۲۰۶۔

دوسری قسم: جسموں کی شفاء

قرآن کریم جس طرح دلوں اور روحوں کی شفا ہے اُسی طرح جسمانی بیماریوں کی بھی شفاء ہے جیسا کہ گزر چکا ہے؛ لہٰذا اس میں روحوں اور جسموں دونوں کی شفا ہے، چنانچہ:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَتَوْا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ العَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ، إِذْ لُدِغَ سَيِّدُ أُولَئِكَ، فَقَالُوا: هَلْ مَعَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رَاقٍ؟ فَقَالُوا: إِنَّكُمْ لَمْ تَقْرُونَا، وَلاَ نَفْعَلُ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا، فَجَعَلُوا لَهُمْ قَطِيعًا مِنَ الشَّاءِ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ بِأُمِّ القُرْآنِ، وَيَجْمَعُ بُزَاقَهُ وَيَتْفِلُ، فَبَرَأَ فَأَتَوْا بِالشَّاءِ، فَقَالُوا: لاَ نَأْخُذُهُ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، فَسَأَلُوهُ فَضَحِكَ وَقَالَ: "**وَمَا أَدْرَاكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، خُذُوهَا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ**"(١)۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ عرب کے کسی قبیلہ سے گزرے، قبیلہ والوں نے ان کی ضیافت نہیں کی، اب ہوا یہ کہ کچھ ہی دیر بعد اس قبیلہ والوں کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، تو قبیلہ والوں نے ان سے پوچھا: کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی دوا یا کوئی دم کرنے والا ہے؟ صحابہ نے کہا: تم لوگوں نے ہماری ضیافت نہیں کی ہے، اس لئے ہم کچھ نہیں کریں گے یہاں تک تم ہمارے لئے اس کی مزدوری نہ طے کر دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے چند بکریاں منظور کرلیں، تو (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) سورۂ فاتحہ پڑھنے لگے اور تھوک جمع کر کے اس پر

---

(١) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الرقی بفاتحۃ الکتاب، حدیث (۵۷۳۶)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب جواز أخذ الأجرۃ علی الرقیۃ بالقرآن والأذکار، حدیث (۲۲۰۱)۔

تھتھکارنے لگے، چنانچہ وہ ٹھیک ہوگیا، اور قبیلہ والے بکریاں لے کر آگئے، تو صحابہ نے آپس میں کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر یہ بکریاں نہیں لیں گے، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ (سورۂ فاتحہ) رقیہ ہے، بکریاں لے لو اور اس میں میرا بھی حصہ لگاؤ''۔

اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ، فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا''(۱)۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تکلیف ہوتی تھی تو آپ اپنے آپ پر معوذات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، چنانچہ جب (مرض الموت میں) آپ کی تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑھتی تھی اور برکت کی امید سے آپ ہی کا ہاتھ آپ پر پھیرتی تھی۔

اور معوذات یہ ہیں: ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾، و﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلْفَلَقِ﴾، و﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ﴾۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ چیز معلوم ہے کہ بعض کلام کی خصوصیات اور فوائد مجرب ہوا کرتے ہیں، تو بھلا رب العالمین کے کلام کا کیا کہنا کہ جس کی فضیلت ہر کلام پر ایسی ہی ہے جیسی اللہ کی فضیلت اپنی مخلوق پر ہے، جو مکمل طور پر شفاء اور نفع بخش تحفظ ہے، اور ہدایت دینے والا نور اور عام رحمت

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الرقی بالقرآن والمعوذات، حدیث (۵۷۳۵)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب رقیۃ المریض بالمعوذات والنفث، حدیث (۲۱۹۲)۔

ہے، کہ اُسے اگر کسی پہاڑ پر اتارا گیا ہوتا تو اس کی عظمت و جلالت سے وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

[الاسراء: ۸۲]۔

یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔

اور یہاں (من القرآن میں) من بیان جنس کے لئے ہے نہ کہ تبعیض (کچھ حصہ بتانے) کے لئے، دو اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے"[۱]۔

لہٰذا قرآن کریم میں مومنوں کی روحوں اور ان کے جسموں، دونوں کے لئے شفا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی جسمانی بیماریوں اور روگوں سے شفا دینے والا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ ٱلشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِى مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ فَٱسْلُكِى سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾﴾ [النحل: ۶۸-۶۹]۔

آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے گھر (چھتے) بنا۔ اور ہر طرح کے میوے کھا اور اپنے رب کی آسان راہوں میں چلتی پھرتی رہ، ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، جس کے رنگ مختلف ہیں اور جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں بھی بہت بڑی نشانی ہے۔

(۱) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۴/ ۱۷۷۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی سفید، زرد، سرخ اور باغوں اور ان کی غذاؤں کے اختلاف کے مطابق، اس کے علاوہ خوبصورت رنگوں کا مشروب نکلتا ہے۔

اور ﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ یعنی شہد میں لوگوں کو لاحق ہونے والی بیماریوں سے شفا ہے۔

طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گفتگو کرنے والے بعض لوگوں نے کہا ہے: کہ اگر اللہ تعالیٰ فرما دیتا کہ اُس میں شفاء ہے، تو بھی وہ ہر بیماری کی دوا ہوتا، لیکن اللہ نے فرمایا کہ اُس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے، یعنی سرد بیماریوں سے شفایابی میں ہر ایک کے لئے مناسب ہے؛ کیونکہ وہ گرم ہے، اور کسی بھی چیز کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔۔۔ اور ﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ سے مراد شہد ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری ومسلم کی یہ روایت ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ''**اسْقِهِ عَسَلًا**'' فَسَقَاهُ، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: إِنِّي سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا، فَقَالَ لَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ جَاءَ الرَّابِعَةَ فَقَالَ: ''**اسْقِهِ عَسَلًا**'' فَقَالَ: لَقَدْ سَقَيْتُهُ فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ''**صَدَقَ اللهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ**'' فَسَقَاهُ فَبَرَأَ''(۱)۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

(۱) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعسل، حدیث (۵۶۸۴)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب التداوی بسقی العسل، حدیث (۲۲۱۷)۔

آیا اور کہنے لگا: میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے (یعنی اُسے دست ہو رہا ہے)، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ''، اُس نے شہد پلایا، پھر آیا اور کہنے لگا: میں نے اسے شہد پلایا جس سے دست اور بڑھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین مرتبہ وہی حکم دیا، پھر چوتھی مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ''، اس نے عرض کیا: واقعی میں نے اسے شہد پلایا لیکن اس کا دست اور بڑھ گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ نے سچ کہا ہے، تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے'' چنانچہ اس نے پھر شہد پلایا تو وہ شفایاب ہو گیا۔

بعض علماء طب فرماتے ہیں: اس شخص کے یہاں فضلات (غیر ضروری مواد) تھے، جب اس نے شہد پلایا جو کہ گرم ہوتا ہے، تو وہ فضلات تحلیل ہو گئے اور جلد نکلنے کی کیفیت پیدا ہو گئی جس سے اُس کا دست اور بڑھ گیا، تو دیہاتی نے سمجھا کہ شہد اسے نقصان پہنچا رہا ہے، حالانکہ اس کے بھائی کے لئے وہی بہتر تھا، جب پھر پلایا تو یہ کیفیت اور بڑھ گئی، پھر تیسری بار پلایا تو وہی حال ہوا، بالآخر جب جسم کو نقصان پہنچانے والے فاسد فضلات پوری طرح خارج ہو گئے تو دست بند ہو گیا، اور اس کی طبیعت ٹھیک ہو گئی اور رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورہ کی برکت سے ساری تکلیفیں اور بیماریاں کافور ہو گئیں (۱)۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

''الشِّفَاءُ فِي ثَلاَثَةٍ: شَرْبَةِ عَسَلٍ، وَشَرْطَةِ مِحْجَمٍ، وَكَيَّةِ نَارٍ، وَأَنْهَى أُمَّتِي عَنِ الكَيِّ'' (۲)۔

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۲/۵۷۶۔

صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الشفاء فی ثلاث، حدیث (۵۸۶۰) موقوفاً، و (۵۶۸۱) مرفوعاً۔

شفا تین چیزوں میں ہے: شہد پینے میں، آلۂ سینگی (پچھنا لگانے کا آلہ) کی مار میں، اور آگ سے داغنے میں، اور میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ننھی سی شہد کی مکھی کو یہ عجیب وغریب رہنمائی کی، اس کے لئے باغات مہیا فرمائے، پھر اپنے گھروں کو واپس ہونے کی رہنمائی کی، جسے انہوں نے اللہ کی تعلیم و ہدایت سے تیار کیا رکھا ہے، پھر ان کے پیٹوں سے یہ لذیذ اور زمین اور باغات کے اعتبار سے مختلف رنگوں کا شہد نکلتا ہے، اس میں لوگوں کے لئے متعدد بیماریوں سے شفا ہے، لہٰذا یہ اپنے بندوں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کمال توجہ اور بے پایاں لطف و کرم کی دلیل ہے، نیز یہ کہ وہی اس قابل ہے کہ اس کے سوا کسی سے محبت کی جائے، نہ کسی کو پکارا جائے[1]۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے اپنے بندے ورسول اور خلیل ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے سلسلہ میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ٱلَّذِى خَلَقَنِى فَهُوَ يَهۡدِينِ ۝٧٨ وَٱلَّذِى هُوَ يُطۡعِمُنِى وَيَسۡقِينِ ۝٧٩ وَإِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِينِ ۝٨٠﴾ [الشعراء:۷۸-۸۰]۔

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿وَإِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِينِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اگر چہ کہ بیماری اللہ کی تقدیر و فیصلہ اور اسی کے پیدا کرنے سے آتی ہے، لیکن اس کے باوجود ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کو محض بطور ادب اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱) تفسیر علامہ عبد الرحمٰن السعدی، ۴/ ۲۱۸۔

اوراس کا معنیٰ یہ ہے کہ: جب میں کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہوں تو مجھے شفا دینا اللہ کے سوا کسی کے بس میں نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ شفاء تک رسائی کے اسباب مقدر فرماتا ہے[۱]۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی امت کو اللہ شفا دینے والے سے شفا طلب کرنے کی رہنمائی فرماتے تھے، جس کی شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، اوراس سلسلہ میں وہ حدیث ہے جسے امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَجَعًا يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ مُنْذُ أَسْلَمَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ : **"ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي تَأَلَّمَ مِنْ جَسَدِكَ، وَقُلْ بِاسْمِ اللهِ ثَلَاثًا، وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ"**[۲]۔

عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام لانے کے بعد ہی سے اپنے جسم میں محسوس ہونے والے ایک درد کی شکایت کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اپنا ہاتھ جسم میں درد کی جگہ پر رکھو اور یہ دعا پڑھو: "بسم اللہ (تین مرتبہ) اور (سات مرتبہ یہ کہو) "میں جو کچھ محسوس کرتا ہوں اور جس چیز سے ڈرتا ہوں اس سے اللہ تعالیٰ اوراس کی قدرت کی پناہ چاہتا ہوں"۔

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۳/ ۳۳۹، کچھ تصرف کے ساتھ۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الألم مع الدعاء، حدیث (۲۲۰۲)۔

”مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَقَالَ عِنْدَهُ سَبْعَ مِرَارٍ: أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ، إِلَّا عَافَاهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ الْمَرَضِ“[1]۔

جو کسی مریض کی عیادت کرے جس کا آخری وقت نہ آگیا ہو اور اس کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھے: میں عرش عظیم کے رب اللہ عظیم و برتر سے دعا گو ہوں کہ وہ تمہیں شفایاب کردے، تو اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے عافیت عطا فرمائے گا۔

لٰہذا یہ نبی کریم ﷺ کی اپنی امت کو تعلیم ہے کہ وہ مشروع اسباب اپنانے کے ساتھ ساتھ اپنے رب پر اعتماد و بھروسہ رکھیں؛ کیونکہ اللہ ہی شفا دینے والا ہے، اس کی شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، اور خود نبی کریم ﷺ بھی اپنے رب سے شفایابی کی دعا کیا کرتے تھے، کیونکہ شفا کا مالک وہی ہے، شفایابی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، نبی کریم ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

”اللَّهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللَّهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللَّهُمَّ اشْفِ سَعْدًا“[2]۔

اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما، اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ اپنے بعض صحابہ کو رقیہ فرماتے تھے اور اللہ شافی سے شفایابی کی دعا کرتے تھے:

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العبادۃ، حدیث (۳۱۰۶)، وجامع ترمذی، کتاب الطب، باب ۳۲، حدیث (۲۰۸۳)، مسند احمد، ۱/۲۳۹، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: ”یہ حدیث حسن غریب ہے“۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع (حدیث ۶۳۸۸) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب وضع الید علی المریض، حدیث (۵۶۵۹)، وصحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث (۱۶۲۸/۸)۔

’’بِسْمِ اللَّهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا‘‘(۱)۔

اللہ کے نام سے، ہماری زمین کی مٹی، ہم میں سے کسی کے تھوک کے ساتھ، ہمارے رب کے حکم سے، ہمارا مریض شفاء پائے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ عزوجل جس نے بیماری اتاری ہے وہی شفا دینے والا ہے، ارشاد گرامی ہے:

’’مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً‘‘(۲)۔

اللہ نے جو بھی بیماری اتاری ہے، اس کی شفاء بھی اتاری ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ‘‘(۳)۔

ہر بیماری کا علاج ہے، جب بیماری کا علاج درست ہوتا ہے تو مریض اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جاتا ہے۔

نیز ارشاد نبوی ہے:

’’إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ، وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا

(۱) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث (۵۷۴۵)، وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین والنملۃ والحمۃ والنظرۃ، حدیث (۲۱۹۴)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما أنزل اللہ داءً إلا أنزل لہ شفاءً، حدیث (۵۶۷۸)۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لکل داءٍ دواء واستحباب التداوی، حدیث (۲۲۰۴)۔

تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ"[۱]۔

اللہ تعالیٰ نے بیماری اور علاج دونوں اتارا ہے، اور ہر بیماری کا علاج بنا رکھا ہے، لہٰذا دوا علاج کراؤ، اور حرام سے علاج نہ کراؤ۔

اسی طرح:

قَالَتِ الأَعْرَابُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا نَتَدَاوَى؟ قَالَ: **"نَعَمْ، يَا عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً، أَوْ دَوَاءً إِلَّا دَاءً وَاحِدًا"** قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُوَ؟ قَالَ: **"الْهَرَمُ"**[۲]۔

دیہاتیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم دوا علاج نہ کرائیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اللہ کے بندو، علاج کراؤ، کیونکہ اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کی شفا یا علاج بھی پیدا کیا ہے، سوائے ایک بیماری کے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بڑھاپا"۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابو داود، کتاب الطب، باب فی الأدویۃ المکروھۃ، حدیث (۳۸۷۴)۔ امام منذری فرماتے ہیں: "اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے، جس میں کچھ کلام ہے"۔ اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف الجامع (حدیث ۱۵۶۹) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ ویسے بھی سابقہ ذکر کردہ اور آگے آنے والی حدیثیں اس سے بے نیاز کرتی ہیں۔

(۲) سنن ابو داود، کتاب الطب، باب فی الرجل یتداوی، حدیث (۳۸۵۵)، وجامع ترمذی، کتاب الطب، باب ماجاء فی الدواء والحث علیہ، حدیث (۲۰۳۸)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ما أنزل اللہ من داءٍ إلا أنزل لہ شفاءً، حدیث (۳۴۳۶)، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع (۲۹۳۰) میں صحیح قرار دیا ہے۔

’’مَا أَنْزَلَ اللهُ دَاءً إِلَّا قَدْ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ‘‘[1]۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری اتاری ہے اس کی شفا بھی اتاری ہے، جسے معلوم ہوا معلوم ہوا، جسے نہیں معلوم ہوا نہیں معلوم ہوا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’یہ حدیثیں اسباب اور ان کے مسببات ثابت کرتی ہیں اور اس کے منکرین کی بات کو باطل ٹھہراتی ہیں، اور یہ جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ’’لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ‘‘ (ہر بیماری کا علاج ہے) اپنے عموم پر ہو حتیٰ کہ جان لیوا بیماریوں اور ان امراض کو بھی شامل ہو جنہیں ڈاکٹر کے لئے ٹھیک کرنا ممکن نہ ہو، اور اللہ نے ایسی بیماریوں کو ٹھیک کرنے والی دوائیں بنائی ہو، لیکن انسان سے اس کا علم لپیٹ رکھا ہو، ان کی رسائی کا کوئی راستہ نہ رکھا ہو؛ کیونکہ مخلوق کے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا اللہ نے انہیں سکھایا ہے...‘‘[2]۔

لہٰذا اللہ ہی شفا دینے والا ہے وہ جسے چاہتا ہے شفا دیتا ہے اور اگر شفا نہیں دینا چاہتا ہے تو ڈاکٹروں سے شفا کا علم لپیٹ دیتا ہے۔

---

(۱) مسند احمد، ۱/ ۳۷۷، اور علامہ شیخ شاکر کی ترتیب کے مطابق، ۵/ ۲۰۱، حدیث (۳۵۷۸)، اور انہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ ومسند الحمیدی، ۱/ ۵۰، حدیث (۹۰)، ومسند ابو یعلی الموصلی، ۹/ ۱۱۳، حدیث (۵۱۸۳)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ما أنزل اللہ داءً إلا أنزل لہ شفاءً، حدیث (۳۴۳۸، ۳۴۳۹) مختصراً۔ ومستدرک حاکم، ۴/ ۱۹۶-۱۹۷، اور امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اس حدیث پر حکم لگانے سے سکوت اختیار فرمائی ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ کی روایت کو صحیح الجامع (حدیث ۵۵۵۸، ۵۵۵۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، از امام ابن القیم رحمہ اللہ، ۴/ ۱۴۔

لہٰذا ہم اللہ' جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں' سے اُس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں اور جسموں کو ہر برائی سے شفا عطا فرمائے، اور اسلام کے ذریعہ ہماری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے؛ وہی اس کا مالک اور اُس پر قادر ہے، اور اللہ عظیم بلند و برتر کے بغیر کوئی قوت وتصرف نہیں۔

سولہواں مبحث:
اسماء حسنیٰ کی بابت دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء ودعوت وارشاد کے چند فتاوے

فتویٰ نمبر: ۱۱۸۶۵ بتاریخ ۳۰ / ۳ / ۱۴۰۹ھ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ، وبعد:

دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء کو ڈاکٹر مروان ابراہیم العیش کی طرف سے سماحۃ الشیخ صدر عمومی کی خدمت میں پیش کردہ سوالات کی اطلاع ہوئی، جسے حوالہ نمبر ۱۶۹ سے بتاریخ ۸ / ۱ / ۱۴۰۹ھ کو دائمی کمیٹی کے حوالہ کیا گیا، اور کمیٹی نے ان میں سے ہر سوال کا جواب اس کے نیچے دیا، جو حسب ذیل ہے:

سوال نمبر ۱: کتاب وسنت میں جو اللہ کی ذاتی صفتیں آئی ہیں کیا ان میں سے ہر ایک کا تمام نصوص میں جہاں بھی وہ آئی ہے ایک ہی معنیٰ مقصود ہے یا ہر سیاق میں اس کا خاص معنیٰ ہے۔ امید کہ آپ ہمیں حسب ذیل سیاقوں میں وارد اللہ کی ذاتی صفات کے معنیٰ ومراد سے آگاہ فرمائیں گے:

الف- الید (ہاتھ): درج ذیل نصوص میں ''ید'' سے کیا مراد ہے:

﴿قُلْ مَنۢ بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَىْءٍ﴾ [المؤمنون: ۸۸]۔

پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟

اسی طرح:

﴿قُلْ إِنَّ ٱلْفَضْلَ بِيَدِ ٱللَّهِ﴾ [آل عمران: ۷۳]۔

آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اور حدیث رسول میں ہے:

"يَدُ اللَّهِ مَعَ الجَمَاعَةِ"(۱)۔

اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

"يَدُ اللَّهِ عَلَى الجَمَاعَةِ"(۲)۔

اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

اور ایک آیت کریمہ میں ہے:

﴿يَدُ ٱللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ [الفتح: ۱۰]۔

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ:

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، حدیث (۲۱۶۶)، اور علامہ البانی نے اسے صحیح ترمذی (حدیث ۲۱۶۶) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) سنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب قتل من فارق الجماعۃ، حدیث (۴۰۲۰)، ومستدرک حاکم، ۱/ ۱۱۵، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع (حدیث ۸۰۶۵) میں صحیح قرار دیا ہے۔

﴿ وَٱلسَّمَآءَ بَنَيۡنَٰهَا بِأَيۡيْدٍ ﴾ [الذاريات:۴۷]۔
آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے۔
میں ﴿ بِأَيۡيْدٍ ﴾ جمع سے کیا مراد ہے؟
ب- العین (آنکھ): درج ذیل نصوص میں ''العین'' سے کیا مراد ہے؟
﴿ وَٱصۡنَعِ ٱلۡفُلۡكَ بِأَعۡيُنِنَا ﴾ [ھود:۳۷]۔
اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے تیار کر۔

اسی طرح:
﴿ وَٱصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعۡيُنِنَاۖ ﴾ [الطور:۴۸]۔
تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بیشک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔
اسی طرح:
﴿ وَأَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصۡنَعَ عَلَىٰ عَيۡنِيٓ ﴿٣٩﴾ ﴾ [طٰہ:۳۹]۔
اور میں نے اپنی طرف کی خاص محبت و مقبولیت تجھ پر ڈال دی۔ تا کہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔
اور اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ کی دو آنکھیں ہیں؟
ج- الوجہ (چہرہ): درج ذیل نصوص میں ''الوجہ'' سے کیا مراد ہے؟
﴿ فَأَيۡنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجۡهُ ٱللَّهِۚ ﴾ [البقرة:۱۱۵]۔
تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔
اسی طرح:

﴿وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ٱبۡتِغَآءَ وَجۡهِ ٱللَّهِۚ﴾ [البقرۃ:۲۷۲]۔

تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہئے۔

اسی طرح:

﴿إِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ ٱللَّهِ﴾ [الانسان:۹]۔

ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کھلاتے ہیں۔

اسی طرح:

﴿وَيَبۡقَىٰ وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو ٱلۡجَلَٰلِ وَٱلۡإِكۡرَامِ ۝٢٧﴾ [الرحمٰن:۲۷]۔

صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔

اور مفید ہوگا کہ ان سوالات کے جواب میں کچھ مراجع کا تذکرہ شامل ہو، جن کی طرف ہم مزید مفید علم کے لئے رجوع کرسکیں؟

جواب نمبر ۱-الف: فقرہ (الف) میں ذکر کردہ نصوص میں ''ید'' کے لفظ سے صرف ایک معنیٰ مراد ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اُس کی عظمت و بڑائی کے شایان شان حقیقی طور پر ہاتھ کی صفت ثابت کرنا، بایں طور کہ مخلوق کے ہاتھ سے تشبیہ و تمثیل کی جائے، نہ ان میں تحریف و تعطیل (عدم اثبات، انکار) سے کام لیا جائے، بلکہ جس طرح اللہ عزوجل کی حقیقی ذات ہے جو بندوں کی ذاتوں سے مشابہت نہیں رکھتی، اسی طرح اللہ کی صفات بھی مخلوقات کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتیں، اور ان کے علاوہ دیگر اور بہت سے نصوص وارد ہیں جو اللہ کے لئے ایک، دو، اور کئی ہاتھوں کی صفت کے اثبات میں ان نصوص کی تائید کرتے ہیں، اس لئے کتاب وسنت کے ان نصوص پر عمل کرتے ہوئے اور ائمہ سلف کے عقیدہ و منہج کی پیروی کرتے ہوئے، کیفیت کو اللہ کے سپرد کرکے ان پر حقیقی طور پر ایمان لانا واجب ہے۔

البتہ رہا مسئلہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ وَٱلسَّمَآءَ بَنَيۡنَٰهَا بِأَيۡيْدٖ ﴾ [الذاریات:۴۷]۔

میں (بِأَيْيْدٍ) کے لفظ کا، تو وہ اس کے فعل ''آد یئد أیداً'' کا مصدر ہے، اور اس کا معنیٰ قوت وطاقت ہے، اسی طرح دو یاء کے ساتھ مشدد بھی استعمال کیا جاتا ہے: '' أَيَّدَه تأییداً '' جس کا معنیٰ قوت پہنچانا ہے، یہ ''ید'' (ہاتھ) کی جمع نہیں ہے، لہٰذا ان آیات صفات میں سے نہیں ہے جن میں صفات کو ثابت کرنے اور اس کی تاویل کرنے والوں کے درمیان جھگڑا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو قوت کی صفت سے متصف کرنے میں کسی کا کوئی جھگڑا نہیں۔

رہا ان نصوص میں آئے ہوئے جملوں کا مسئلہ تو سیاق اور قرائن کے اختلاف کے مطابق ان کے معانی مختلف ہیں:

چنانچہ فرمان باری: ﴿ قُلۡ مَنۢ بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيۡءٖ ﴾ اللہ کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے، ہر چیز کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہونے کے اعتبار سے بھی، اور کلام کے سابق لاحق سیاق کے اعتبار سے بھی، اسی طرح: ﴿ قُلۡ إِنَّ ٱلۡفَضۡلَ بِيَدِ ٱللَّهِ ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فضل وانعام اللہ واحد ہی کے پاس ہے۔ اسی طرح فرمان نبوی ﷺ: ''يَدُ اللّٰهِ عَلَى الجَمَاعَةِ'' سے باہمی الفت، محبت، اجتماعیت اور حق پر گامزن رہنے کی صورت میں اُن کے لئے اللہ کی دیکھ ریکھ اور دوسروں کے خلاف ان کی تائید ونصرت کا سچا وعدہ مقصود ہے۔ اسی طرح فرمان باری تعالیٰ: ﴿ يَدُ ٱللَّهِ فَوۡقَ أَيۡدِيهِمۡ ﴾ سے مسلمانوں کی رسول ﷺ سے بیعت کو اللہ سے بیعت کا مقام دے کر بیعت کو مضبوط اور پختہ کرنا مقصود ہے، اور یہ چیز اللہ کے لئے اس کے شایان شان حقیقی ہاتھ کے اثبات سے مانع نہیں ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والوں کے لئے ان

کے شایانِ شان حقیقی ہاتھوں کے اثبات سے مانع نہیں ہے[1]۔

جواب نمبر ۲-ب: فقرہ (ب) میں ذکر کردہ نصوص میں ''بأعیننا اور علیني'' کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے اُس کی عظمت کے شایانِ شان حقیقی طور پر آنکھ کی صفت ثابت کرنا مقصود ہے، بایں طور کہ مخلوقات کی آنکھ سے تشبیہ و تمثیل کی جائے، نہ زبانِ عرب میں ان کے معانی سے تحریف سے کام لیا جائے، کیونکہ ان الفاظ کو اُن کے معانی سے پھیرنے میں کلام کے سیاق کی کوئی تاثیر نہیں ہے، بلکہ اس کی تاثیر ان جملوں کے مقصود میں ہے جن وہ الفاظ وارد ہوئے ہیں، لہٰذا ان تمام جملوں کا مقصود یہ ہے:

اولاً: اللہ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی بنائیں، وہ اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں ہیں۔

ثانیاً: ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کرتے رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور ان کے درمیان اپنا عدل کا فیصلہ فرما دے، ساتھ ہی یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت، اور اس کی حفاظت و رعایت میں ہیں۔

ثالثاً: موسیٰ علیہ السلام نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دوبارہ احسان فرمایا، بایں طور کہ اللہ نے ان کی ماں کو اپنی حفاظت و نگرانی میں اُن کی عمدہ تربیت کرنے کے لئے بہت کچھ حکم دیا۔ اسی طرح اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی دو آنکھیں ہیں، اور سوال میں ذکر کردہ نصوص میں ''بأعیننا'' (جمع) کے لفظ کا مسئلہ یہ ہے کہ لفظ ''عینین'' (تثنیہ) کی اضافت جب جمع کی ضمیر کی طرف کی گئی تو اُسے جمع کر دیا گیا، جیسے قلب (دل) کے تثنیہ کی اضافت جب تثنیہ یا جمع کی ضمیر کی طرف کی گئی تو اُسے جمع کر دیا گیا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) کتاب التوحید، از امام ابن خزیمہ، وکتاب التدمریۃ، از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ومختصر الصواعق المرسلۃ، از موصلی، ۲/۱۵۳، وشرح القصیدۃ النونیۃ، ۲/۳۰۷۔

﴿إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوبُكُمَا﴾ [التحریم:۴]۔

(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلو (تو بہت بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل جھک پڑے ہیں۔

نیز اس کی دلیل اللہ عزوجل اور دجال کے سلسلہ میں وارد نبی کریم ﷺ کی حدیث بھی ہے کہ: ''إِنَّ المَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ''(۱)، یقیناً مسیح دجال کانا ہے، اور اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے، چنانچہ اہل سنت و جماعت نے اس حدیث سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے دو انکھوں کے اثبات پر استدلال کیا ہے(۲)۔

ج- پہلے جملہ میں لفظ ''وجہ اللہ'' سے اللہ کا قبلہ (سامنا) مراد ہے جیسا کہ امام مجاہد اور شافعی رحمہما اللہ نے ذکر کیا ہے، کیونکہ کلام کا معنیٰ ہر جگہ اس کے سیاق اور گھیرے ہوئے قرائن کے مطابق ہوا کرتا ہے، اور سیاق اور قرائن دلالت کرتے ہیں کہ اس جملہ میں ''الوجہ'' سے مراد قبلہ ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلۡمَشۡرِقُ وَٱلۡمَغۡرِبُۚ فَأَيۡنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجۡهُ ٱللَّهِۚ﴾ [البقرۃ:۱۱۵]۔

اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے، تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔

---

(۱) چنانچہ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الأَعْوَرَ الكَذَّابَ، أَلاَ إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ...''۔

جو بھی نبی بھیجا گیا اُس نے اپنی امت کو کانے جھوٹے سے ضرور آگاہ کیا، تو خبردار! وہ کانا ہوگا، لیکن تمہارا رب کانا نہیں ہے۔

[صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، حدیث (۷۱۳۱)، وصحیح مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعۃ، باب ذکر الدجال وصفۃ مامعہ، حدیث (۲۹۳۳)۔

(۲) کتاب التوحید، از امام ابن خزیمہ، وکتاب التدمریۃ، از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ومختصر الصواعق المرسلۃ، از موصلی، ۱/۳۴-۳۷۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سمتوں اور جگہوں کا ذکر کیا ہے جن کا لوگ استقبال کرتے ہیں، لہٰذا یہ آیت کریمہ اِس آیت کی طرح ہے:

﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ [البقرۃ:۱۴۸]۔

ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے۔

لہٰذا آیت کریمہ صفات کی آیتوں میں سے نہیں ہے، جس میں ثابت کرنے والوں اور نفی کرنے والوں کا تنازعہ ہو، البتہ سوال کے بقیہ جملوں میں لفظ ''وجہ'' سے مراد اللہ کے لئے اس کے شایان شان حقیقی چہرہ کا اثبات ہے، کیونکہ اصل حقیقت ہی ہے، اور حقیقت سے پھیرنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے، اور اس سے مخلوقات کے چہرہ کی تمثیل بھی لازم نہیں آتی، کیونکہ ہر ایک کا اپنا خاص چہرہ ہے جو اس کے لائق ہے (۱)۔

سوال نمبر ۲: خالق کے ناموں سے مخلوق کا نام رکھنے کی حرمت کے کیا دلائل ہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کیا اس کی کچھ متعین حدود و قیود ہیں؟ میرا مقصود اللہ کے نام ہیں صفات نہیں۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ مخلوق کو خالق کی صفات سے متصف کرنا جائز نہیں، اور یہ چیز اللہ کی کتاب میں بکثرت موجود ہے، اس لئے میرا سوال نام رکھنے کے بارے میں ہے' وصف کے بارے میں نہیں۔ کیا آپ حضرات اس سلسلہ میں فیصلہ کن قواعد کی وضاحت فرمائیں گے؟

سب سے پہلی بات: یہ ہے کہ نام اور صفت کے درمیان فرق یہ ہے کہ نام ذات' اور اس سے متعلقہ صفات پر دلالت کرتا ہے اور صفت ذات سے وابستہ ہوتی ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے، خواہ ذاتی معانی ہوں، جیسے علم اور قدرت، یا فعلی ہوں جیسے پیدا کرنا، روزی دینا، اور مارنا جلانا۔

---

(۱) کتاب مختصر الصواعق المرسلۃ، از موصلی، ۲/ ۲۹۹-۳۰۷۔

دوسری بات: یہ کہ بسا اوقات مخلوق کو اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جیسے اُسے کی صفت سے متصف کیا جاتا ہے، لیکن یہ اس طور پر ہوتا ہے کہ ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں، اور اُسے دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں، لہٰذا اس سے خالق کو مخلوق کے مثل قرار دینا لازم آتا ہے نہ مخلوق کو اُس کے خالق سے، گرچہ لفظ کی تعبیر اور کلی معنیٰ میں اشتراک موجود ہے، کیونکہ کلی معنیٰ صرف ذہنی ہوتا ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ''حی'' یعنی زندہ رکھا ہے، ارشاد ہے:

﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَيُّ ٱلۡقَيُّومُۚ﴾ [البقرة:۲۵۵]۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی زندہ کا نام دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿يُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ﴾ [الروم:۱۹]۔

(وہی) زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔

لیکن یہ زندہ اُس زندہ کے مثل نہیں ہے، بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کی خارج میں کچھ خصوصیات ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ''حلیم'' اور دوسرے کا نام ''علیم'' رکھا ہے، اور اپنا نام بھی حلیم اور علیم رکھا ہے، لیکن اس سے تمثیل لازم نہیں آتی؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک مسمیٰ (جس کا نام رکھا گیا ہے) کی ذہنوں سے باہر کچھ خصوصیت و امتیاز ہے، اگرچہ وہ نام کے اطلاق اور تعبیر میں شریک ہیں۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے اپنا نام ''سمیع'' اور ''بصیر'' رکھا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعَۢا بَصِيرٗا ۝٥٨﴾ [النساء:۵۸]۔

بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔

اور اپنی مخلوقات کو بھی سمیع و بصیر کا نام دیا ہے، ارشاد ہے:

﴿فَجَعَلْنَٰهُ سَمِيعًۢا بَصِيرًا ۝٢﴾ [الانسان:٢]۔

اور اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔

لیکن دونوں میں مثلیت لازم نہیں آتی؛ کیونکہ ان میں سے ہر مسمیٰ (جس کا نام رکھا گیا ہے) کی کچھ خصوصیت ہے جو اسے دوسرے سے ممتاز کرتی ہے، جیسا کہ دیگر مثالیں گزر چکی ہیں۔

یہی معاملہ صفات کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو علم سے متصف کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ [البقرۃ:٢٥٥]۔

اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی علم سے موصوف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝٨٥﴾ [الاسراء:٨٥]۔

اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قوت سے متصف کیا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ۝٥٨﴾ [الذاریات:٥٨]۔

اللہ تعالیٰ تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے۔

اور اپنے بعض بندوں کو بھی قوت سے موصوف کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿۞ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعْدِ ضَعْفٍ

قُوَّةً ﴾[الروم:۵۴]۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد توانائی دی۔

لیکن یہ قوت اُس قوت کی طرح نہیں ہے، باوجودیکہ دونوں تعبیر اور کلی معنیٰ میں مشترک ہیں، لیکن متصف ہونے والے دونوں میں سے ہر ایک کی کچھ خصوصیت ہے جو اس کے شایان شان ہے، اس کے علاوہ صفات کی دیگر مثالیں بھی ہیں[1]۔

سوال نمبر ۳: کیا خالق کے ناموں سے مخلوق کا نام رکھنے کے حرام ہونے کی کوئی صحیح دلیل ہے؟

الف: کیونکہ مخلوق کو اللہ کے عَلَم (ذاتی نام) ''اللہ'' سے موسوم کرنا منع ہے، تو اسی طرح مخلوق کو اللہ کے دیگر ناموں سے موسوم کرنا بھی ممنوع ہوگا؛ کیونکہ اللہ کے ناموں میں تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے؟

ب: عربی زبان کا قاعدہ معلوم ہے کہ جار مجرور جب معرفہ سے پہلے آتے ہیں تو حصر اور تحدید کا فائدہ دیتے ہیں، اور یہی بات اللہ کے فرمان:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ ﴾[الاعراف:۱۸۰]۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔

میں بھی ہے، لہٰذا آیت کریمہ اسماء حسنیٰ کے اللہ ہی تک محدود ہونے اور مخلوق کے لئے ان ناموں کے عدم جواز کا فائدہ دیتی ہے، بھلا کیا یہ چیز بطور دلیل صحیح ہو سکتی ہے؟

جواب نمبر ۳: اسماء حسنیٰ میں سے جو اللہ کا علم یعنی ذاتی نام ہے جیسے ''اللہ'' اس سے غیر اللہ کا

---

(۱) کتاب التوحید، از امام ابن خزیمہ، وکتاب التدمریۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ومختصر الصواعق المرسلۃ، از موصلی، ۲/ ۳۷۔

نام رکھنا منع ہے؛ کیونکہ اس کا مسمیٰ متعین ہے اس میں شرکت کی گنجائش نہیں اسی طرح اسماء حسنیٰ میں سے جو اسی معنیٰ میں ہو جن میں شرکت کی گنجائش نہ ہو جیسے ''الخالق اور ''الباریٔ'' وغیرہ ان سے بھی غیر اللہ کو موسوم کرنا جائز نہیں، کیونکہ ''الخالق'' وہ ہے جو چیز کو کسی سابق نمونہ کے بغیر وجود بخشے، اور ''الباریٔ'' وہ ہے جو عیب سے مبرا ہو کر چیز کو وجود بخشے، اور یہ شان اللہ کے سوا کسی کی نہیں لہٰذا یہ نام صرف اللہ کا حق ہے، البتہ جس نام کا کلی معنیٰ ہو جس میں اسماء وصفات کے افراد میں فرق مراتب ہو جیسے ''الملک، العزیز، الجبار، المتکبر'' تو ان سے اللہ کے علاوہ کا نام رکھا جاسکتا ہے، چنانچہ اللہ نے ان ناموں سے خود کو بھی موسوم کیا ہے، اور اپنے بعض بندوں کو بھی ان ناموں سے یاد کیا ہے، مثال کے طور پر:

﴿قَالَتِ ٱمْرَأَتُ ٱلْعَزِيزِ﴾ [یوسف:۵۱]۔

تو عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی۔

نیز ارشاد ہے:

﴿كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ ٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝٣٥﴾ [غافر:۳۵]۔

اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔

اور ان کے علاوہ دیگر مثالیں ہیں، لیکن ان میں باہم مثلیت لازم نہیں آتی؛ کیونکہ ہر مسمیٰ (نامی) کچھ خصوصات رکھتا ہے جو اسے دوسرے سے الگ کرتا ہے، اور اس سے اللہ کو نام ''اللہ'' سے موسوم کرنے اور دیگر ناموں، جن کے کلی معانی ہیں جس میں اس کے افراد شریک ہیں، سے موسوم کرنے کا فرق معلوم ہو جاتا ہے، لہٰذا انہیں لفظ جلالت ''اللہ'' پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

رہی آیت کریمہ:

﴿ وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ ﴾ [الاعراف:۱۸۰]۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں۔

تو اس سے اللہ کے ناموں میں حسن وکمال کو محدود کرنا مقصد ہے، کیونکہ ''حسنیٰ'' کا لفظ اسم تفضیل ہے، جو ''اسماء'' کی صفت ہے، مطلقاً طور پر ناموں کو اللہ کے ساتھ محدود کرنا مقصود نہیں ہے۔جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَٱللَّهُ هُوَ ٱلۡغَنِيُّ ٱلۡحَمِيدُ ۝١٥ ﴾ [فاطر:۱۵]۔

اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔

تو اس میں کمال بے نیازی اور حمد کو اللہ کے ساتھ محدود کرنا مقصود ہے' نہ کہ ''غنی'' اور ''حمد'' کے نام کو اللہ کے ساتھ محدود کرنا، چنانچہ اللہ کے علاوہ کو بھی غنی اور حمید کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۴: جب ثابت ہو گیا کہ اللہ کے ناموں سے مخلوق کا نام رکھنا جائز نہیں تو کیا اللہ کے ناموں کے ضمن میں کچھ ایسے نام ہیں جن سے مخلوق کو موسوم کرنا جائز نہیں؟ اور کیا یہ ممانعت ''الرحمٰن، القیوم'' کو بھی شامل ہے، اور کیا کچھ دوسرے اسماء بھی ہیں جن سے مخلوق کو متصف کرنا جائز نہیں؟

جواب نمبر ۴: اسماء حسنیٰ میں سے جن سے مخلوق کا نام رکھنا جائز ہے اور جن سے ناجائز ہے' اس کا ضابطہ دوسرے اور تیسرے سوال کے جواب میں گزر چکا ہے، اس بنا پر مخلوق کا نام ''القیوم'' رکھنا جائز نہیں؛ کیونکہ القیوم وہ ہے جو اپنی ذات کے ذریعہ دوسروں سے بے نیاز ہو' اُس کے سوا سب اس کے محتاج ہوں، اور یہ چیز اللہ کے ساتھ خاص ہے' اس میں کوئی

دوسرا شریک نہیں، امام ابن القیم رحمہ اللہ قصیدہ نونیہ میں رقمطراز ہیں:

هــذا وَمِنْ أوصافِهِ القَيُّوم ... وَالقَيُّــوم في أوصافه أمْرَانِ

إِحْدَاهُما القَيُّوم قَامَ بِنَفْسِهِ ... والكَوْنُ قَامَ بِهِ هُمَا الأمرَانِ

فالأَوَّلُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنْ غَيْرِهِ ... والفَقْــرُ مِنْ كُلٍّ إليهِ الثَّانِي

اللہ کی ایک صفت ''القیوم'' بھی ہے، اور اس کی صفات میں سے ''القیوم'' میں دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ قیوم ہے یعنی خود قائم ہے، اور کائنات بھی اسی کے دم سے ہے، یہ دو باتیں ہیں، پہلی بات اپنے سوا سے اللہ کی بے نیازی ہے اور دوسری اس طرف تمام لوگوں کی محتاجگی ہے۔

اسی طرح مخلوق کا نام ''الرحمٰن'' بھی نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ یہ لفظ اللہ کے نام کے طور پر کثرت استعمال کی وجہ سے اللہ کا علم بن گیا، اللہ ہی کے لئے اس کا استعمال غالب ہے اور اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے، جیسے لفظ جلالت ''اللہ'' کا معاملہ ہے، لہٰذا اللہ کے علاوہ کے لئے یہ نام رکھنا جائز نہیں (۱)۔

دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء

ممبر	نائب صدر کمیٹی	صدر
عبداللہ بن غدیان	عبدالرزاق عفیفی	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

---

(۱) تفسیر آیت کریمہ: ﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْحَىُّ ٱلْقَيُّومُ﴾ [البقرۃ: ۲۵۵]، از حافظ ابن کثیر، ۱/ ۲۷۸، وکتاب مختصر الصواعق المرسلۃ، از موصلی، ۲/ ۱۱۰، وکتاب القصیدۃ النونیۃ، از امام ابن القیم، مع شرح شیخ احمد بن عیسی، ۲/ ۲۳۶۔

فتویٰ نمبر: ۳۸۶۲ وتاریخ ۱۲/ ۸/ ۱۴۰۱ھ

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ، وبعد:

دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء کو معالی وزیر المعارف السعودیہ کی طرف سے سماحۃ الشیخ صدر عمومی کی خدمت میں پیش کردہ سوال کی اطلاع ہوئی، جسے حوالہ نمبر ۸۱۸ سے بتاریخ ۳/ ۵/ ۱۴۰۱ھ کو دائمی کمیٹی کے حوالہ کیا گیا۔ سوال من وعن حسب ذیل ہے:

''میں منسٹری کے امتحانی بورڈ کا استفسار بحوالہ ۲۱۲۱ وتاریخ ۷/ ۴/ ۱۴۰۱ھ مع خاکہ اسماء حسنیٰ' آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں' جو نام ''الفضیل'' کی بابت استفسار کے سلسلہ میں ہے' کہ کیا یہ نام اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے؟ اور جس کا یہ نام ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے، کیا نام بدل دیا جائے یا اسی حالت پر باقی رہنے دیا جائے؟ اور چونکہ بہت سے اداروں کی جانب سے اللہ کے اسماء حسنیٰ کے سلسلہ میں بار بار استفسار ہونے لگا ہے' کیونکہ کئی ریٹائرڈ لوگ ایسے نام والے موجود ہیں شریعت جن کی اجازت نہیں دیتی، جیسے عبدالنبی، عبدالامام، عبدالزہراء وغیرہ، لہٰذا میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ ہمیں ایک وضاحتی بیان دیدیں جس میں ان ناموں کی تعیین ہو جن کی طرف ''عبد'' کی اضافت کرنا اور ان کے ذریعہ نام رکھنا جائز ہے، بالخصوص جبکہ بہت ساری کتابیں اشارہ کرتی ہیں کہ اللہ کے اسماء ننیانوے میں محدود نہیں ہیں، بلکہ ان ننیانوے ناموں کی گنتی میں بھی روایتیں مختلف ہیں، اور حدیث رسول ﷺ: ''اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ،...''۔

اے اللہ میں تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو تیرا ہے، جو تونے اپنا نام رکھا ہے۔

سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ کے اسماء کی تعداد شمار سے

بالاتر ہے۔

کمیٹی نے اس کا جواب دیا جو حسب ذیل ہے:

اولاً: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا۟ ٱلَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِىٓ أَسْمَـٰٓئِهِۦ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾﴾ [الاعراف: ۱۸۰]۔

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے اپنے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ نہایت عمدہ ناموں کے ساتھ خاص ہے جو اس کے صفات کمال اور عظمت و بڑائی کو شامل ہیں، ساتھ ہی اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اُسے انہی ناموں کے ذریعہ پکاریں جو اُس نے اپنا نام بتلایا ہے، یا اُن کے ذریعہ آسانی و پریشانی میں گڑگڑا کر اور چپکے چپکے اُس سے دعا کریں، اور اُنہیں اُن ناموں کا یا ان کے معانی کا انکار کرکے، یا اللہ نے اپنا جو نام نہیں رکھا ہے اُسے وہ نام دے کر یا اُس کا نام کسی دوسرے کو دیکر، ان میں الحاد کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو بُرے عذاب کی دھمکی دی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں اور اپنے رسول ﷺ کو اپنی وحی کردہ ثابت سنت میں' اپنے بہت سے نام بتلائے ہیں، لیکن اُن میں ''الفضیل'' نام نہیں ہے، اور کسی کے لئے اللہ کا یہ نام رکھنا جائز نہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں؛ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی کو اس بات کا سب سے زیادہ علم ہے کہ اُس کے شایان شان کیا ہے، اس کے علاوہ ہر ایک اس سے قاصر ہے، لہٰذا جو بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ان کے علاوہ کوئی نام دے گا جو اُس نے اپنا نام رکھا ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اُس کا نام رکھا ہے' وہ اللہ کے ناموں میں الحاد کرنے والا ہوگا اور راہ راست سے منحرف ہوجائے گا، اللہ کی مخلوق

میں کسی کے لئے روا نہیں کہ کسی کو اللہ کے سوا اُس کے بندوں میں سے کسی کا بندہ بنائے، لہٰذا عبدالفضیل، یا عبدالنبی، یا عبدالرسول، یا عبد علی، یا عبدالحسین، یا عبدالزہراء، یا غلام احمد، یا غلام مصطفیٰ وغیرہ نام رکھنا جائز نہیں، جس میں مخلوق کی مخلوق کی بندگی ہو؛ کیونکہ اس میں صالحین اور بلند مرتبہ لوگوں کی شانوں میں غلو اور اللہ کے حق پر دست درازی اور ظلم ہے؛ اور اس لئے بھی کہ ایسا کرنا شرک وسرکشی کا ذریعہ ہے، اور امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ غیر اللہ کا بندہ قرار دینا (اللہ کے سوا کی طرف عبدیت کی اضافت کرنا) حرام ہے، اس بنیاد پر سوال میں ذکر کردہ اور ان جیسے دیگر ناموں کو بدل دینا واجب ہے۔

ثانیاً: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“(۱)۔

اللہ تعالیٰ کے سو میں ایک کم ننیانوے نام ہیں، جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں ننیانوے ناموں کی تعیین کا اضافہ ہے، جبکہ تعیین میں بھی اختلاف ہے، اس سلسلہ میں اہل علم کی چند وضاحتیں ہیں:

الف: ان ناموں کے شمار سے مراد ان کا علم حاصل کرنا، ان کے معانی کو سمجھنا، ان پر ایمان رکھنا، ان کے تقاضوں پر اعتماد و بھروسہ کرنا، اور ان کے مدلول (معلوم ہونے والی باتوں) کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے، نہ یہ کہ صرف ان کے الفاظ کو یاد کر لینا اور گنتی کی طرح گننا مقصود ہے۔

(۱) اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔صحیح بخاری، حدیث (۲۷۳۶)، وصحیح مسلم، حدیث (۲۶۷۷)۔

ب: اہل علم کے یہاں قابل اعتماد بات یہ ہے کہ ننیانوے ناموں کی تعیین حدیث میں مدرج (الگ سے ملادی گئی) ہے، جسے بعض علماء نے صرف قرآن کریم سے، یا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے لیا ہے اور اُسے حدیث کی تشریح، اور اجمالی تعداد کی تفصیل کے طور پر، اور دخول جنت سے سرفرازی کی امید میں، اُن کے شمار کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی ترغیب پر عمل کرتے ہوئے اس کے بعد شامل کردیا ہے۔

ج: حدیث کا مقصد اللہ کے ناموں کو ننیانوے کی تعداد میں محدود کرنا نہیں ہے- کیونکہ اس کا صیغہ تحدید کا نہیں ہے- بلکہ اس سے اللہ کے ناموں میں سے ننیانوے ناموں کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت بتلانا اوران کے شمار کا عظیم صلہ بیان کرنا مقصود ہے، اوراس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ، فَقَالَ: اللهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، ابْنُ عَبْدِكَ، ابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ: أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجِلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا''، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نَتَعَلَّمُهَا؟ فَقَالَ: ''بَلَى، يَنْبَغِي لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَتَعَلَّمَهَا''(1)۔

(۱) مسند احمد، ۱/۳۹۱، ومسند ابویعلی موصلی، ۹/ ۱۹۸-۱۹۹، حدیث (۵۲۹۷)، ومستدرک حاکم، ۱/ ۵۰۹-۵۱۰، وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، حدیث (۳۳۹، ۳۴۰)، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ (۱/ ۳۳۷، حدیث ۱۹۹) میں صحیح قرار دیا ہے۔

جب کسی بندہ کو کوئی فکر یا رنج وغم لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھ لے: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری باندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے سلسلہ میں تیرا فیصلہ طے ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ مبنی بر عدل ہے، میں تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں جو تیرا ہے، جو تونے اپنا نام رکھا ہے، یا تونے اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا تونے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا تونے اپنے علم غیب میں اسے چھپا رکھا ہے، کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور بنا دے، اور میرے غم کا مداوا اور میرے رنج وملال کو ختم کرنے والا بنا دے" تو اللہ تعالیٰ اس کا رنج وغم ٹال دے گا اور اسے فرحت ومسرت سے بدل دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، یہ دعا جو بھی سنے اسے یاد کر لینا چاہیئے۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اللہ نے اپنے بعض ناموں کو اپنے علم میں چھپا رکھا ہے' اپنی مخلوق میں کسی کو اس سے آگاہ نہیں کیا ہے، لہٰذا وہ غیبی امور میں سے ہیں جس میں کسی کے لئے اندازے اور اٹکل پچو کے ذریعہ پڑنا جائز نہیں؛ کیونکہ اللہ کے اسماء توقیفی ہیں' جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب آرہا ہے۔

د: اللہ کے اسماء توقیفی ہیں، لہٰذا اللہ عزوجل کو انہی ناموں سے موسوم کیا جاسکتا ہے جو اللہ نے خود رکھا ہے' یا اس کے رسول ﷺ نے رکھا ہے، قیاس اور اللہ کے فعل وغیرہ سے نکال کر اللہ کا کوئی نام رکھنا جائز نہیں' برخلاف معتزلہ اور کرّامیہ کے، چنانچہ فرمان باری:

﴿ وَٱلسَّمَآءَ بَنَيۡنَٰهَا بِأَيۡيْدٖ ﴾ [الذاریات: ۴۷]۔

آسمان کو ہم نے (اپنے) ہاتھوں سے بنایا ہے۔

اور اسی طرح فرمان باری:

﴿ وَمَكَرُوا۟ وَمَكَرَ ٱللَّهُ ﴾ [آل عمران:۵۴]۔

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی (مکر) خفیہ تدبیر کی۔

اسی طرح فرمان باری:

﴿ ٱللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ [البقرۃ:۱۵]۔

اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔

سے نکال کر اللہ تعالیٰ کو ''بنّاء'' (بنانے والا، معمار) ''ماکر'' (مکر کرنے والا)، اور ''مستہزء'' (ٹھٹھا کرنے والا) وغیرہ نام دینا جائز نہیں۔

اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو فرامین باری تعالیٰ:

﴿ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾ ﴾ [الواقعۃ:۶۴]۔

اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

﴿ فَنِعْمَ ٱلْمَٰهِدُونَ ﴿٤٨﴾ ﴾ [الذاریات:۴۸]۔

پس ہم بہت ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔

﴿ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ ﴾ [الواقعۃ:۷۲]۔

اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ فَالِقُ ٱلْحَبِّ وَٱلنَّوَىٰ ﴾ [الانعام:۹۵]۔

بے شک اللہ تعالیٰ دانہ کو اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔

﴿ وَقَابِلِ ٱلتَّوْبِ شَدِيدِ ٱلْعِقَابِ ﴾ [غافر:۳]۔

اور توبہ کا قبول فرمانے والا سخت عذاب والا ہے۔

سے نکال کر ''زارع'' (کاشتکار)، ''ماھد'' (بچھانے والا)، ''فالق'' (پھاڑنے والا)، ''منشیٔ'' (آگانے والا)، ''قابل'' (قبول کرنے والا)، ''شدید'' (سخت) وغیرہ ناموں سے بھی موسوم کرنا جائز

نہیں ہے، کیونکہ یہ اسماء ان نصوص میں اضافت کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں، اور نام کی حیثیت سے نہیں، بلکہ خبروں میں استعمال ہوئے ہیں، نہ کہ مطلق طور پر، لہٰذا ان کا استعمال صرف اسی طریقے سے جائز ہے جیسے وہ شرعی نصوص میں آئے ہیں۔

لہٰذا واجب ہے کہ نام رکھنے میں اللہ کے ناموں میں سے کسی ایسے ہی نام کے ساتھ عبدیت کا اضافہ کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اپنا نام بتایا ہو یا اُس کے رسول ﷺ نے اپنی صحیح ثابت احادیث میں اللہ کو اس سے موسوم کیا ہو، جیسے اللہ کے اسماء حسنیٰ جو سورۃ الحشر کے اخیر میں مذکور ہیں، سورۃ الحدید کے شروع میں مذکور ہیں، اور قرآن کریم کی دیگر سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

دائمی کمیٹی برائے علمی تحقیقات وافتاء

ممبر	ممبر	نائب صدر	صدر
عبداللہ بن قعود	عبداللہ بن غدیان	عبدالرزاق عفیفی	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

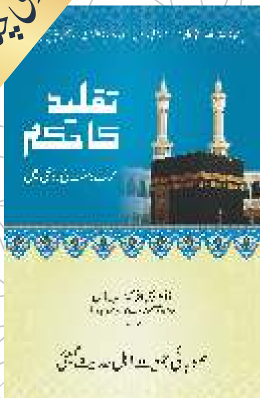
اللہ رحمت، سلامتی اور برکت نازل فرمائے اپنے بندے ور رسول، اپنی مخلوق میں سب سے برگزیدہ، اور اپنی وحی کے امین، ہمارے نبی و امام محمد بن عبد اللہ ﷺ پر، آپ کے آل و اصحاب پر، اور قیامت تک ان کے سچے پیروکاروں پر۔ اور اللہ عظیم و بلند کے بغیر کوئی قوت واختیار نہیں۔

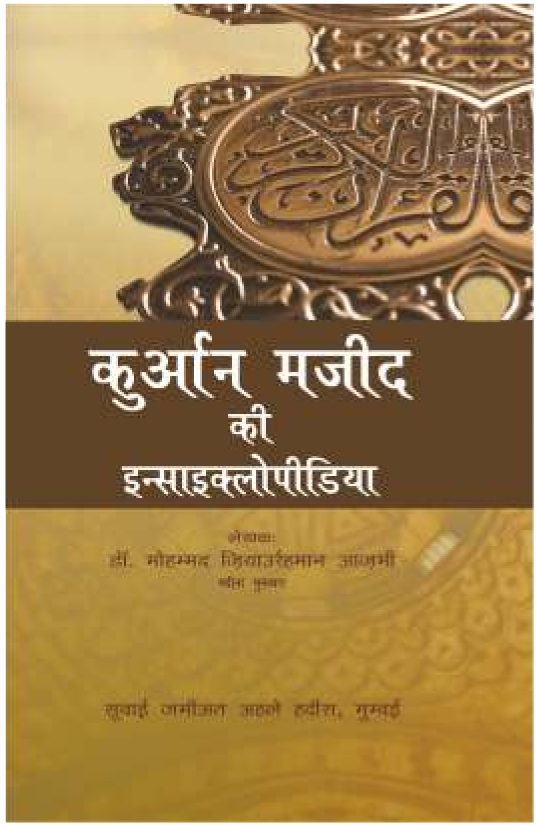
[ترجمہ مع کتابت بتاریخ ۲۹ / ۴ / ۲۰۱۶ء بروز جمعہ بوقت دس بجے شب تمام ہوا۔

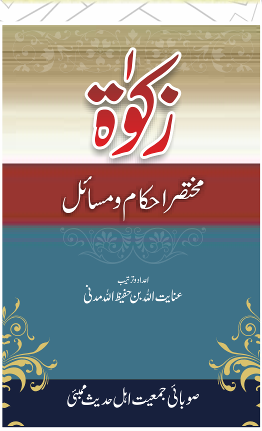
فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ]۔

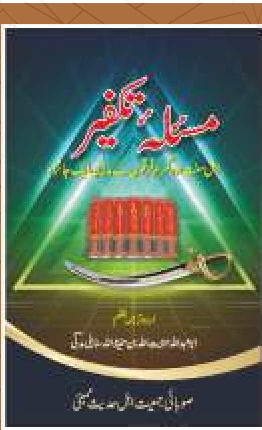
وکتبہ: ابوعبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ المدنی

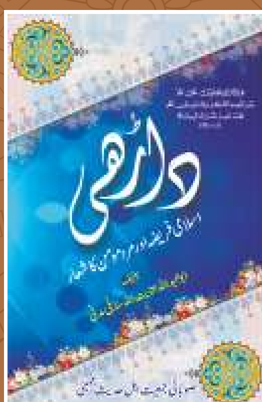
ہماری چند مطبوعات

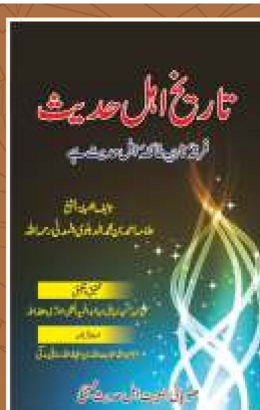












SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org